خواب سا دیکھا کوئی

نگہت سیما

مکمل ناول

وہ کرسمس کی رات تھی۔ لندن میں برف گر رہی تھی۔ چھتیں برف سے ڈھک گئی تھیں۔ گلیوں میں پرسکون ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ گھروں میں پکوانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کھڑکی کے شیشے سے چہرہ ٹکائے لان میں موجود کرسمس ٹری کو دیکھ رہی تھی۔ جسے پال نے ایلن کے ساتھ مل کر سجایا تھا۔ اس نے کچھ دیر شیشے سے دیکھنے کے بعد کھڑکی کا پٹ کھول دیا۔ یک دم ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ ہوا جس میں برف کی خنکی تھی۔

"ہے... جوزی! تم تیار نہیں ہوئیں۔ کیا تمہیں ایلی کی پارٹی میں نہیں جانا۔" مارتھا نے لاؤنج میں جھانکا اور پھر اندر آگئی۔

اس نے کھڑکی بند کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مارتھا تقریباً "تیار" تھی۔ منی اسکرٹ اور بہت نیچے گلے والا بغیر آستین کا بلاؤز۔ ہاتھ میں چھ انچ کی ہیل والے باریک اسٹریپ والے جوتے پکڑے ہوئے وہ صوفے پر آکر بیٹھ گئی اور جھک کر جوتے پہننے لگی۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم دراصل..." مارتھا نے ایک انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا اور پھر ہنسنے لگی۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جوتے پہن کر سیدھی ہوئی اور پھر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ یقیناً "نشے" میں تھی۔ صبح سے لے کر اب تک اس نے اسے دو تین بار اپنے لیے ڈرنک بناتے اور پیتے دیکھا تھا۔ وہ انگلی اس کی طرف کیے ہنس رہی تھی، جب پال نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ وہ شاید ابھی باہر سے آیا تھا۔ اس کے کوٹ پر کہیں کہیں برف تھی۔

"اتنا ہنس کیوں رہی ہو میری ڈارلنگ!" وہ جب موڈ میں ہوتا تو اسے میری کہہ کر بلاتا تھا۔

"یہ تمہاری بیٹی!" مارتھا اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے قریب آکر اس کے کوٹ کی آستینوں سے برف جھاڑی۔ پال کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں اور

پھر قریبی صوفے پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔
"یہ اس پارٹی میں نہیں جانا چاہتی حالانکہ ایلن نے بہت تاکید کی تھی کہ اسے پارٹی میں ضرور لاؤں اور ..." اس نے پھر پال کے کندھے پر پڑی نادیدہ برف جھاڑی۔
"یہ صبح کرسمس کی تقریبات میں شرکت کے لیے بھی میرے ساتھ چرچ نہیں گئی۔"
"اچھا!" پال نے اس کی طرف دیکھا جو ابھی کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔
"وہ... میں۔" اس نے بے چینی سے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں کو مسلا۔ وہ جب اپ سیٹ ہوتی تھی یوں ہی اپنے ہاتھ مسلنے اور رگڑنے لگتی تھی۔
"میری طبیعت... ڈیڈ! میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" پال کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس نے جملہ مکمل کیا۔
"کچھ نہیں ہوا اس کی طبیعت کو پال! دراصل یہ جو چار سال اپنے سوتیلے باپ کے گھر رہی ہے تو اس نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔"
"لیکن میری ڈیر! جب میں اسے لایا تھا تو یہ دس سال کی تھی۔ بالکل بچی اور اب یہ آٹھ سال سے تمہارے ساتھ ہے۔ اگر اس نے سوتیلے باپ کے گھر اپنے مذہب کے متعلق کچھ نہیں جانا تو کیا یہ تمہارا فرض نہیں تھا کہ تم اسے اپنے مذہب سے آگاہی دو۔" پال کا آج خلاف معمول موڈ اچھا تھا اور وہ بہت نرمی سے بات کر رہا تھا۔
"میں تو اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیتی لیکن صرف تمہاری وجہ سے... پھر تم کہتے کہ میں تمہاری بیٹی پر سختی کرتی ہوں۔ یہ کام تو تمہیں خود کرنا چاہیے تھا۔"
مارتھا لہراتی ہوئی پھر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی تو پال نے اس کی طرف دیکھا جو ہونٹ بھینچے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔
"تم جانتی ہو جوزی! تمہارا دادا پادری تھا ایک سچا عیسائی اور تم۔"
"میں بھی ایک سچی عیسائی ہوں ڈیڈ!" اس نے فوراً اپنے سینے پر صلیب بنائی اور صوفے کے پیچھے سے نکل آئی۔
"خداوند یسوع مسیح مجھے معاف کرے۔ میری طبیعت واقعی خراب ہے' لگتا ہے۔ مجھے ٹمپریچر ہے۔"
پال نے ایک جتاتی نظر مارتھا پر ڈالی اور سوچا۔ "یہ مارتھا ہمیشہ ہی مجھے جوزی سے بدظن کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔"
مارتھا نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ ایسی نظر جو اسے اندر تک سہا دیتی تھی اور پال کی طرف دیکھا۔
"تم لنچ پر کہاں تھے؟"
"دوستوں کے ساتھ تھا۔ تم نے کیا بنایا تھا؟"
"ٹرکی روسٹ کیا تھا اور تمہاری لاڈلی نے ایک پڈنگ بنائی تھی جبکہ ایلن چاکلیٹ کیک لایا تھا۔" مارتھا نے جواب دیا۔
"میں نے لنچ نہیں کیا۔"
"میں کچھ لاتی ہوں ڈیڈ!"
وہ فوراً ہی لاؤنج سے نکل گئی۔ مارتھا نے اسے جاتے دیکھا اور پال کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔
"تم جانتے ہو پال! ایلن تمہاری بیٹی میں انٹرسٹڈ ہے۔"
"اچھا!" پال نے اب ٹانگیں دراز کر لی تھیں اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔
"تو اور کیا۔ وہ یوں ہی مہربان نہیں ہے۔ اس کا دل آ گیا ہے اس پر۔" وہ تھوڑا سا اور جھکی اور اس کا لہجہ مزید دھیما ہوا۔
"اس نے نیا اپارٹمنٹ لیا ہے۔ پہلے سے بڑا اور وہ چاہتا ہے کہ جوزی اس کے ساتھ اس کی پارٹنر بن کر اس کا اپارٹمنٹ شیئر کر لے۔"
"کیا مطلب! شادی کرنا چاہتا ہے وہ؟" پال ایک دم خوش ہوا تھا۔
"شادی!" مارتھا ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی اور ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔ پال حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"تم پاکستان میں نہیں ہو پال! یہاں اردگرد جتنے گھر ہیں ان میں کتنے شادی شدہ جوڑے ہیں؟ ایک بھی نہیں پال! یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کرتے ہیں اور جب دل بھر جائے تو۔" وہ پھر ہنسنے لگی۔
"تمہارا مطلب ہے بغیر شادی کے... ایلن چاہتا ہے کہ جوزی بغیر شادی کے اس کے ساتھ رہے؟" پال کی آنکھوں کی حیرت دوچند ہوئی تھی۔ "نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔"
"کیوں نہیں ہو سکتا؟" مارتھا چلائی۔ "تم... پال تم!" اس نے دایاں ہاتھ قدرے بلند کر کے شہادت کی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ "اندر سے وہی دقیانوسی پاکستانی ہو۔ دیسی عیسائی۔" اس نے زمین پر تھوک دیا۔
"یہ یورپ ہے پال! یہاں ایسے ہی چلتا ہے۔ سب ایسے ہی رہتے ہیں۔ ایلن کہتا ہے۔ یہاں ہم شادی افورڈ نہیں کر سکتے۔ ڈائیورس کی صورت میں بہت نقصان ہوتا ہے۔ کیا پتا کب چھوڑنا پڑ جائے۔"
پال نے سر جھکا لیا تھا۔ وہ ہمیشہ خود کو دیسی عیسائی کہلوانے پر شرمندہ ہوتا تھا لیکن مارتھا کے سامنے نہیں۔ اس لیے وہ فوراً ہی اس شرمندگی سے باہر نکل آیا تھا۔
"اور تم کون سی ولایتی میم ہو۔ تمہارا ماموں تو آج بھی گوجرانوالہ میں میونسپلٹی میں کام کرتا ہے جبکہ میرا باپ پادری ہے۔ ایک معزز شہری اور میرا دادا ہالینڈ سے آیا تھا۔ اعلا خاندان سے تعلق تھا اس کا۔"
"اور تمہارے دادا نے ایک اینگلو انڈین نرس سے شادی کی تھی۔ تو تمہارا باپ بھی پھر دیسی عیسائی ہوا نا... اور تمہاری ماں... کہنے کو تو ٹیچر تھی پرائمری اسکول کی مگر تھی تو وہی میونسپلٹی میں کام کرنے والے خاندان کی۔"
مارتھا اپنے اوپر تو بات کبھی آنے ہی نہیں دیا کرتی
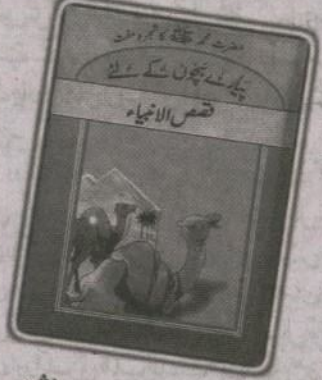
تھی اور پال کی باتوں کو تو چٹکیوں میں اُڑا دیا کرتی تھی۔ جب پال نے اس سے شادی کی تھی، تب بھی اس کی ماں اور ـــــ باپ کارپوریشن کے ملازم تھے، لیکن وہ ہمیشہ پال پر احسان دھرا کرتی تھی، جیسے اس نے پال سے شادی کرکے اس پر بڑا احسان کیا۔ ہو۔

جب پال سے اس کی ملاقات ہوئی تھی تو وہ بی۔ ایڈ کرنے لاہور آئی ہوئی تھی، اور ایجوکیشن کالج فار ویمن میں پڑھتی تھی۔ پال کی چھوٹی بہن مارگریٹ زریں اس کی روم میٹ تھی۔ مارتھا پروین جس کے ماں باپ دونوں ہی گوجرانوالہ کی میونسپل کمیٹی کے ملازم تھے، چاہتے تھے کہ وہ پڑھ لکھ کر ٹیچر بن جائے۔ جبکہ اس کے چاروں بھائیوں نے بھی زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔

وہ اپنے سات بہن بھائیوں میں سب سے مختلف تھی۔ گوری چٹی، بھوری آنکھیں، بھورے بال۔ اس کی دونوں چھوٹی بہنیں بھی شکل و صورت میں بالکل اپنی ماں پر تھیں لیکن وہ تو..... اگر وہ پال پر احسان دھرتی تھی تو اس کے نزدیک کچھ غلط نہ تھا، کیونکہ پال تو شادی شدہ اور ایک بچی کا باپ تھا۔ بے شک ان کی علیحدگی ہو چکی تھی، تو وہ جوان دنوں ایک گلوکار پر دل ہی دل میں مرتی تھی اس نے پال سے شادی کا فیصلہ کرلیا تھا..... صرف مارگریٹ سے پال کے متعلق سن کر اسے دیکھے بغیر۔ بہرحال پال کا سماجی رتبہ اس سے بہتر تھا۔ پال کا باپ ایک چھوٹے شہر کے گرجے میں پادری تھا۔ شہر بہت چھوٹا بھی نہ تھا۔ اسے ضلعے کا درجہ حاصل تھا۔ پال کے تینوں بڑے بہن بھائی اعلا تعلیم یافتہ تھے اور اچھی پوسٹوں پر تھے، جب کہ پال بھی گریجویٹ تھا اور اس کی چھوٹی بہن بی ایس سی کے بعد اب بی ایڈ کر رہی تھی۔ سو مارتھا ہر وقت مارگریٹ کے ساتھ رہتی تھی۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب پال مارگریٹ سے ملنے آتا تھا۔ بلکہ ایک بار تو وہ مارگریٹ کے ساتھ اس کے گھر سے بھی ہو آئی تھی۔

مارگریٹ کے ماں باپ اس سے بہت محبت سے ملے تھے۔ گرجے کے ساتھ منسلک ایک چھوٹا سا انگلش میڈیم اسکول تھا، جسے پال چلاتا تھا۔ ان دنوں جب وہ مارگریٹ کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی تو پال بیوی کی بے وفائی اور بچی کی جدائی سے زخم خوردہ تھا۔ مارتھا کو پال کا چھوٹا سا بنگلہ جو گرجے کے ساتھ ہی تھا۔ اور گرجے کی طرح سرخ اینٹوں سے بنا ہوا تھا، بہت پسند آیا تھا۔ سو اس نے پال کی دل جوئی شروع کردی تھی کیونکہ وہ پال سے شادی کا فیصلہ کرچکی تھی۔

”پھر بھی میرا خاندان ایک معزز خاندان تھا، جبکہ تمہارا خاندان..... اور تم نے شادی سے پہلے ایک دن بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ تمہارے خاندان کے لوگ وہاں گوجرانوالہ میں.....“ پال کو بھی یاد آگیا تھا کہ مارتھا نے کیسے اپنے خاندان کے متعلق چھپایا تھا۔

”اور تم!“ مارتھا ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔

دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی تھی اور کچن میں ٹرالی پر سامان سجائے کھڑی جوڑی بے چینی سے اپنے ہاتھ مسل رہی تھی اور انگلیاں مروڑ رہی تھی اور پال اور مارتھا لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر چلا رہے تھے۔ یقیناً ”کرسمس کی رات برباد ہو چکی تھی۔

دونوں لڑ بھڑ کر سو جائیں گے اور ایلن کی پارٹی میں جانا نہیں پڑے گا۔ وہ برا نہیں تھا۔ اچھا لڑکا تھا لیکن اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ جب وہ اپنی نیلی کنچوں جیسی آنکھیں اس پر گاڑتا تو پتا نہیں کیوں دو سیاہ، بھنورا جیسی آنکھیں اس کے تصور میں آجاتیں۔ اسے ایلن کی بے تکلفی بھی اچھی نہیں لگتی تھی۔

اس نے اطمینان بھرا سانس لے کر ٹرالی کا جائزہ لیا۔ سب چیزیں موجود تھیں۔ اس نے پال کی پسند کی ساسز ٹرالی میں رکھیں۔ اسے پال سے بہت محبت تھی۔ وہ ممی کے مقابلے میں پال سے زیادہ قریب تھی، اس لیے۔ جب ممی اور پال کے درمیان علیحدگی ہوئی تھی تو وہ بہت ڈسٹرب ہوئی تھی حالانکہ وہ صرف پانچ سال کی تھی، لیکن وہ ہر وقت پال کو یاد کرکے روتی رہتی تھی اور بہت ضدی ہو گئی تھی کہ اسے ڈیڈی کے پاس جانا ہے۔ لیکن پھر جب ممی نے شادی کرلی تو انہوں نے پال کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی بیٹی کو لے جائے لیکن پال کو اس کا پیغام نہیں ملا تھا یا پھر وہ اسے جان بوجھ کر لینے نہیں آیا تھا کیونکہ اس کی زندگی میں مارتھا آچکی تھی، لیکن پھر چار سال بعد وہ اسے لینے آگیا تھا۔

”ہے، جوزی! کہاں مر گئی ہو؟“

یہ مارتھا تھی جو لاؤنج سے اسے پکار رہی تھی۔ شاید اس کے پاس پال سے لڑنے کے لیے اسلحہ بارود ختم ہو چکا تھا۔ یقیناً ”باقی کا غصہ اس نے جوڑی پر نکالنا تھا۔ جوڑی نے ٹرالی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے دھکیلتی ہوئی لاؤنج کی طرف جانے لگی۔

”ہنو!“ اندر سے پال کی آواز آئی تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

یعنی ابھی میدان کارزار گرم تھا۔ پال کو جب بہت غصہ آتا تھا تو وہ اسے چڑانے کے لیے اس نام سے پکارتا تھا، جس نام سے اس کے گھر والے بلاتے تھے۔ یہ نام پروین کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ لیکن پال اور مارگریٹ سے ملنے کے بعد وہ صرف مارتھا ہی رہ گئی تھی۔

”ادھر دو مجھے اور مرو، کہیں دفعہ ہو جاؤ میری نظروں سے دور۔“ مارتھا لاؤنج سے نکلی تھی اور ٹرالی اس کے ہاتھوں سے جھپٹی تھی۔ وہ حیرت سے مارتھا کو دیکھتی رہ گئی جو ٹرالی دھکیلتی لاؤنج میں چلی گئی تھی۔ مارتھا کے متعلق قبل از وقت کچھ بھی کہنا ممکن نہ تھا۔

اسے کبھی بھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ اگلے لمحے وہ کیا کرنے والی ہے۔

کچھ دیر وہ یونہی کھڑی رہی اور پھر آہستگی سے بیرونی دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل آئی۔ کچھ دیر یونہی گھر کی بیرونی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی رہی۔ وہ اس وقت گھر سے باہر کیوں آئی تھی، وہ خود نہیں جانتی تھی۔ باہر اب بھی ہلکی برف باری کا سلسلہ جاری تھی۔ برف اس کے کندھوں پر بازوؤں پر اور سر پر گر رہی تھی۔ دراصل وہ مارتھا اور پال کی لڑائی سے خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ ہمیشہ ہی..... اور اب بھی وہ ارد گرد سے بے نیاز سوچ رہی تھی کہ پال اور مارتھا اب بھی جھگڑ رہے ہوں گے اور پتا نہیں کب تک جھگڑتے رہیں گے۔ تب ہی سامنے والے گھر کا دروازہ کھول کر کوئی باہر نکلا۔ اور اس کے قریب آکر رکا تھا۔

”ہیلو مس! اینی پرابلم؟“ اس کی آواز بے حد خوب صورت تھی، گمبھیر دل میں اترتی ہوئی سی۔ اس نے اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کر رکھے تھے۔

”نو۔“ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کی آنکھیں ان سیاہ، بھنورا سی آنکھوں سے ٹکرائیں جو اس پر جمی تھیں۔

”ہم نے تمہیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ سوچا شاید کوئی پرابلم ہو۔“ اب اس کے پیچھے کھڑی لڑکی نے دائیں طرف ہو کر کہا تو وہ چونکی..... اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

”یہ لڑکی ہمیشہ اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی۔ یہ فیملی جو چار افراد پر مشتمل تھی۔ ماں، باپ اور یہ دو۔ اب پتا نہیں یہ لڑکی اس کی بہن تھی یا بیوی۔ یہ فیملی ہفتہ بھر پہلے ہی اس گھر میں منتقل ہوئی تھی اور ہفتہ بھر پہلے ہی اس نے اسے دیکھا تھا اور تب سے یہ سیاہ، بھنورا سی آنکھیں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں کیا تھا ایسا..... اس نے نظریں اٹھائیں۔

”ہیپی کرسمس!“ لڑکی مسکرائی۔

”ہیپی کرسمس!“ اس نے بہت آہستگی سے کہتے ہوئے نظریں جھکالیں۔

”آپ کا کرسمس ٹری بہت خوب صورت ہے۔“ سیاہ، بھنورا آنکھوں والا ان کے لان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تھینک یو!“

”میں خوش جمال ہوں۔“ لڑکی مسکرا رہی تھی۔ اور ہم پاکستانی ہیں..... مسلم اور تم؟“ لڑکی نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

”میں.....!“ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دروازہ بند تھا، لیکن مارتھا کسی بھی لمحے باہر آسکتی تھی اور.....

”تم کسی مسلم سے بات نہیں کرو گی اور کسی مسلمان سے دوستی نہیں کرو گی۔ سمجھیں!“ اس کے کانوں میں مارتھا کی آواز آئی۔

جب چار سال بعد پال اسے ممی کے پاس سے لے

کر آیا تھا تو مارتھا نے پہلی بات یہی سمجھائی تھی کیونکہ ممی نے جس شخص سے شادی کی تھی۔ وہ مسلمان تھا۔
اس نے لڑکی کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور ایک دم پلٹ کر اپنے گھر کا دروازہ دھکیلتی اندر چلی گئی تھی۔
"عجیب لڑکی ہے۔" خوش جمال نے کندھے اُچکائے تھے۔
"خوشی! یہ لوگ پسند نہیں کرتے کہ لوگ بلاوجہ انٹرفیر کریں۔"
"میرا خیال تھا کہ یہ پاکستانی یا انڈین فیملی ہے۔ ماں بے شک یہاں کی ہو لیکن باپ اور بیٹی کی رنگت ظاہر کرتی ہے کہ ان کا تعلق برصغیر سے ہے۔"
خوش جمال نے اپنا خیال ظاہر کیا اور اپنے بازوؤں سے برف جھاڑتے ہوئے اپنا اسکارف درست کیا۔
وہ دونوں اب واپس گھر کی طرف جارہے تھے اور وہ لاؤنج کی کھڑکی کے شیشوں سے انہیں جاتے دیکھ رہی تھی۔
"یہ لوگ پاکستان سے آئے تھے... یہ مسلمان تھے۔ وہ لڑکا پتا نہیں اس کا نام کیا تھا... اور اس کی آنکھیں... اس کی آنکھیں کتنی سیاہ تھیں بالکل... بالکل... اس نے کتنے سالوں بعد ایسی گھور سیاہ آنکھیں دیکھی تھیں۔
اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے لڑکے نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ مارتھا اور پال لاؤنج سے جاچکے تھے۔ ٹرالی ایسے ہی بھری پڑی تھی۔ ایک پلیٹ میں کیک کا چھوٹا سا پیس کٹا ہوا پڑا تھا۔ یقیناً "پال نے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔
گویا آج بڑے دنوں بعد دونوں میں زوردار لڑائی ہوئی تھی۔ تھینک گاڈ! وہ باہر چلی گئی تھی، ورنہ وہ سامنے ہوتی تو مارتھا کی توپوں کا رخ اس کی طرف بھی ہو جاتا اور وقتاً" فوقتاً" وہ دونوں طرف گولا باری کرتی رہتی۔
اس نے زمین پر اوندھی پڑی پلیٹ اٹھا کر ٹرالی میں رکھی اور ٹرالی دھکیل کر کچن کی طرف لے جانے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ فٹ بال گراؤنڈ کے باہر گراؤنڈ کے کنارے ہاتھ گود میں دھرے زمین پر بیٹھا تھا۔ پچھلے چھ دن سے یہاں ایگل کلب فٹ بال ٹورنامنٹ ہو رہا تھا اور یہ ٹورنامنٹ ڈسٹرکٹ فٹ بال ایسوسی ایشن کے تحت ہو رہے تھے۔
آج لیاقت میموریل اور اقبال میموریل کے درمیان میچ تھا۔ یہ دونوں ٹیمیں تلہ گنگ کے دو مختلف دیہاتوں سے آئی تھیں اور انہوں نے بے حد شاندار کھیل کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ گراؤنڈ سے باہر مبہوت سا بیٹھا انہیں دیکھتا رہا تھا۔ گراؤنڈ اب خالی تھا۔ کھلاڑی جاچکے تھے بلکہ شائقین بھی۔ وہ تنہا خالی میدان کے باہر بیٹھا گراؤنڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک کھلا اور وسیع میدان تھا گراؤنڈ سے اس طرف سفیدے کے درختوں کی قطاریں تھیں۔
اس کے پیچھے میدان میں کلب کی عمارت تھی اور عمارت سے پیچھے حد نظر کھیت ہی کھیت تھے۔ سورج کا سرخ گولا ہولے ہولے درختوں کے پیچھے گم ہو گیا تھا۔ اور ملگجا سا اندھیرا دھیرے دھیرے گہرا ہوتا جارہا تھا۔ درخت اب دور سے سیاہ نظر آرہے تھے اور پیچھے کلب کے مین گیٹ پر ایک چھوٹا سا بلب جل اٹھا تھا۔ اس بلب کی مدھم روشنی گراؤنڈ تک نہیں پہنچ رہی تھی تاہم گیٹ کے آس پاس کا اندھیرا کم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نظر پیچھے مڑ کر کلب کے گیٹ کی طرف دیکھا۔ اور پھر گراؤنڈ کی طرف دیکھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گراؤنڈ کھلاڑیوں سے بھر گیا۔ یکایک اس کے کانوں میں سیٹیاں، شور اور تالیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔
وہ گراؤنڈ کے کنارے زمین پر بیٹھا تھا لیکن گراؤنڈ کے اندر ہی تھا کھلاڑیوں کے درمیان بال کے پیچھے بھاگتا ہوا۔ وہ بال کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا اور مختلف کھلاڑیوں کو ڈاج دیتا گول پوسٹ کے پاس پہنچ گیا تھا اور پھر اس کی ایک ہی کک نے بال کو گول میں پہنچا دیا تھا۔ اس کے کانوں میں تالیوں اور سیٹیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ کھلاڑیوں کے گھیرے میں گراؤنڈ میں کھڑا تھا۔ درختوں کے جھنڈ سے یک دم کوئی پرندہ تیز آواز نکالتا ہوا اُڑا اور اس کے سر کے اوپر سے اڑتا ہوا کلب کی عمارت کے پیچھے غائب ہو گیا۔
اس نے خوف زدہ ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ گراؤنڈ سنسان تھا اور وہ اکیلا گراؤنڈ کے کنارے زمین بیٹھا تھا۔ اس کے وجود پر کپکپی سی طاری ہو گئی اور خنکی کی ایک لہر اس کی رگوں میں اتر گئی۔ حالانکہ یہ ستمبر کا وسط تھا، لیکن رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی، کیونکہ اس چھوٹے سے شہر کے اردگرد پہاڑی علاقے تھے۔ یہاں سردی جلد پڑتی اور دیر سے جاتی تھی۔ ایگل کلب شہر سے باہر مضافات میں تھا اور اس کا گھر سامنے سفیدے کے درختوں کے پیچھے تھا۔ یہ سفیدے کے سینکڑوں کی تعداد میں لگے ہوئے درخت ان کے تھے۔ یہ زمین ان کی تھی۔
ایگل کلب فٹ بال ٹورنامنٹ شروع ہوئے چھ دن ہو گئے تھے اور وہ چھ دن سے یہاں آرہا تھا اور سب کے جانے کے بعد بھی بیٹھا رہتا۔ گراؤنڈ کو دیکھتا رہتا اور اس کا الوژن چند لمحوں کے لیے گراؤنڈ کو آباد کر دیتا اور وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگتا۔
کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ یہاں اس وقت بیٹھا ہے۔ لیکن ایک آنکھ تھی جو چھ دن سے اسے نوٹ کر رہی تھی اور یہ آنکھ کوچ محی الدین کی تھی، جو اس وقت کلب کے فرسٹ فلور پر موجود اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پیچھے کھیتوں میں کوئی گیدڑ چیخا تھا۔ وہ ایک دم خوف زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھوں کو پھیلایا۔ بند کیا۔ کھولا۔ جھک کر ایک چھوٹے سے پتھر کو اٹھا کر مٹھی میں بند کرنے کی کوشش کی لیکن پتھر نیچے گر پڑا۔ اس کے چہرے پر مایوسی سی پھیل گئی۔
وہ سر جھکائے درختوں کی طرف چل پڑا۔ جن کے بیچوں بیچ ایک کچا راستہ اس کے گھر کی طرف جاتا تھا۔ اس راستے سے وہ جلدی گھر پہنچ جاتا تھا، ورنہ کلب کے پیچھے سے پکی سڑک بھی تھی۔ وہ بھی اس کے گھر کی طرف جاتی تھی۔
اندھیرے میں دونوں اطراف موجود درختوں کے ہیولے عجیب و غریب شکلیں اختیار کیے ڈراتے تھے۔ لیکن وہ سر جھکائے تیز تیز قدم اٹھاتا گھر کی طرف جارہا تھا۔ اسے گھر میں داخل ہوتے وقت کبھی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ وہ گیٹ پھلانگ کر اندر آجاتا تھا اور پھر پورچ سے گزر کر گلی میں سے ہوتا کچن کے پچھلے دروازے سے اندر آتا تھا۔ برتن دھونے والی ماسی اور صفائی والی ماسی بھی ادھر سے ہی آتی تھی۔ جب کبھی وہ لیٹ ہو جاتا تھا۔ کچن کا یہ دروازہ اسے اندر سے کھلا ملتا تھا ورنہ رات کو اندر سے بند کر دیا جاتا تھا۔
اور اب تو وہ چھ دن سے لیٹ آرہا تھا اور دروازہ اسے کھلا ہی مل رہا تھا اور وہ جانتا تھا یہ کام مشاعل کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا وہ دل ہی دل میں اس کا ممنون ضرور ہوتا تھا لیکن اس نے اس کا شکریہ کبھی ادا نہیں کیا تھا لیکن آج کچن کا دروازہ نہ صرف یہ کہ اندر سے بند تھا بلکہ باہر جالی کے دروازے پر بھی تالا لگا ہوا تھا اور اسے تب ہی بند کیا جاتا تھا، جب کہیں جانا ہوتا تھا۔ وہ کچھ دیر پریشان سا کھڑا رہا پھر واپس پورچ سے ہوتا گیٹ تک آیا۔ باہر سے گیٹ پھلانگنا آسان تھا۔ لیکن اندر سے مشکل۔
"کیا میں باہر جا کر بیل دوں؟"
اس نے سوچا اور پھر واپس برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر کچھ دیر وہ اندرونی گیٹ کے پاس کھڑا رہا اور پھر دروازے سے کچھ فاصلے پر موجود کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کی، لیکن کھڑکی پر بھاری پردے پڑے تھے۔ تب وہ مڑ کر دروازے کے پاس آیا اور لکڑی کے بھاری دروازے پر دستک دی۔ تیسری دستک پر دروازہ کھل گیا۔
دروازے کے اس طرف مینو تھی۔ مینو کا نام تو امینہ تھا لیکن سب اسے مینو کہتے تھے۔ وہ چار سال پہلے ان کے گھر کام کے لیے آئی تھی۔ تب وہ دس سال کی تھی اور کام سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔
اس نے اندر قدم رکھا۔ مینو نے دروازہ بند کر کے پیچھے مڑ کر لاؤنج کی طرف دیکھا اور پھر واپس مڑی، لیکن مڑتے ہوئے اس نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی جس

میں ترحم تھا، ترس تھا اور ہمدردی۔ وہ کچھ دیر یونہی سن روم میں کھڑا رہا پھر اس نے سن روم اور ٹی وی لاؤنج کو علیحدہ کرتے پردوں کی طرف دیکھا۔ لاؤنج سے ٹی وی کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ اس طرف کون بیٹھا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ مشاعل کی ممی ہمیشہ بلند آواز میں ٹی وی لگاتی تھیں، جبکہ پاپا آہستہ آواز میں.... تو پاپا۔

اس نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ وہ میدان میں زمین پر بیٹھا رہا تھا یقیناً" کپڑوں پر مٹی لگی ہوگی۔ اس نے غیرارادی طور پر کپڑوں کو جھاڑا اور لاؤنج کی طرف بڑھا۔ وہ ساری رات یہاں سن روم میں نہیں رہ سکتا تھا اسے بہرحال اپنے کمرے میں جانے کے لیے لاؤنج میں سے گزرنا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور پردہ ہٹا کر لاؤنج میں قدم رکھا۔ وہ بالکل سامنے سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا، جو لاؤنج سے اوپر تک جا رہی تھیں۔

اس کے دائیں طرف یقیناً" پاپا بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ مشاعل کی ممی، لیکن اس نے دانستہ ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نظریں سامنے سیڑھیوں کی طرف تھیں، جبکہ صوفے دائیں طرف دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ چند قدم کا فاصلہ تھا اور پھر سیڑھیاں، لیکن اس کے لیے یہ چند قدم طے کرنا پل صراط طے کرنے کے برابر تھا۔ ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟" یہ پاپا کی آواز تھی۔ اب اسے دائیں طرف دیکھنا ہی تھا۔ اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

اس کا ننھا سا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور وہ حبیب الرحمٰن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جن کے چہرے پر اس کے لیے کوئی پدرانہ محبت یا شفقت نہ تھی ہاں آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے منہ کھولا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ میچ دیکھنے گیا تھا لیکن اس کی آواز گھٹ گئی۔ حلق میں جیسے گولا سا پھنس گیا۔ پچھلے دو سال سے اس کے ساتھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ پاتا تھا۔ کوئی انجانی طاقت اس کا گلا بھینچ لیتی تھی۔ بولنا چاہتا تو ہکلا کر رہ جاتا۔ عام حالات میں وہ بات کر لیتا تھا اگرچہ کم گو تھا لیکن جب کوئی غصے میں ہوتا، خاص طور پر پاپا تو وہ بول نہ پاتا تھا۔ اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ وہ اپنی پوری توانائی بولنے کے لیے اکٹھی کر رہا تھا لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

"یہ وقت ہے تمہارے گھر آنے کا۔ اپنی عمر دیکھو۔ اس عمر میں کن بری صحبتوں میں پڑ گئے ہو تم؟"

اس کی نظریں لمحہ بھر کلاک پر ٹھہریں۔ آٹھ بجنے والے تھے۔ پونے سات بجے مغرب کی اذان ہوتی تھی۔ اور وہ اذان کے بعد اٹھنا چاہتا تھا۔ میچ تو چھ بجے ختم ہو جاتا تھا اور ساڑھے چھ تک گراؤنڈ خالی ہو جاتا تھا۔ لیکن کوئی انجانی طاقت اسے وہاں باندھ دیتی تھی۔ وہ اٹھ نہ پاتا۔ یہ چھوٹا شہر تھا۔ یہاں لوگ آٹھ بجے تک رات کا کھانا کھا کر نو بجے تک سو جاتے تھے۔

"ہاں بولو، کہاں تھے اس وقت تک؟" سوال پھر دہرایا گیا تھا۔

وہ بتانا چاہتا تھا لیکن پھر کچھ کہنے میں ناکام رہا۔ بس ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے تھے۔

"اب منہ میں گھنگھنیاں کیوں ڈال لی ہیں۔ بتاؤ نا اپنے باپ کو، کہاں جاتے ہو؟" یہ تیز چیختی آواز اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح لگتی تھی اور اعصاب چٹخنے لگتے تھے۔

"ایک دن کی تو بات نہیں حبیب! یہ تو ہر روز ہی دیر سے آتا ہے۔ اللہ جانے کہاں آوارہ گردی کرتا رہتا ہے۔"

"ہر روز نہیں، صرف چھ دن سے۔ جب سے ایگل کلب ٹورنامنٹ شروع ہوا ہے تب سے۔"

وہ وضاحت کرنا چاہتا تھا لیکن لفظ اندر ہی کہیں دم توڑ گئے تھے اور اس کے ہونٹ صرف لرز کر رہ گئے اور اس نے پاپا کو صوفے سے اٹھتے اور اپنی طرف آتے دیکھا تو سر مزید جھکا لیا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے؟" انہوں نے اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ "میں کیا

بکواس کر رہا ہوں اتنی دیر سے۔" اس کے بال ان کی مٹھی میں تھے اور چہرہ اونچا اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ لمحہ بھر کے لیے ہی اس کی نظر ان پر پڑی تھی۔ سرخ لپ اسٹک لگے ہونٹوں پر بڑی کریہہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اٹھے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے کھلے ہونٹوں سے لمبے لمبے دانت جھانکنے لگے اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا بلکہ پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا۔ وہ جب مشاعل کی ممی کی طرف دیکھ رہا ہوتا تو اس کے دیکھتے دیکھتے ان کی شکل چڑیلوں جیسی ہو جاتی تھی۔ اس نے جھرجھری لی۔ اس کے بالوں میں تکلیف ہو رہی تھی اور گردن میں بھی۔

"خدانخواستہ کچھ غلط ہو گیا تو لوگ تو مجھے ہی برا بھلا کہیں گے سوتیلی جو ہوئی۔"

وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ابھی ان کے دانت اس کی گردن پر ہوں گے اور وہ اس کا خون چوس لیں گی۔

"بول کہاں تھا رات کے آٹھ بجے تک؟" انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے۔ وہ گرتے گرتے سیدھا ہوا تو ان کا تھپڑ اس کے رخساروں پر پڑا۔

"کن دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کر رہا تھا۔"

اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ وہ کبھی کوئی دوست نہیں بنا پایا تھا اور اس کی وجہ اس کی شخصیت میں موجود اس کی جسمانی کمزوریاں تھیں یا نفسیاتی، لیکن وہ کبھی کسی کلاس فیلو سے بھی بے تکلف نہیں ہو سکا تھا' حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک جب اس کی مما ام کلثوم زندہ تھیں تو وہ بہت خوش اخلاق اور ہنس مکھ بچہ تھا اور پوری کلاس اس کی دوست تھی' لیکن پھر وہ ہولے ہولے اپنی ذات میں سمٹتا گیا تھا۔

"توبہ کس قدر ڈھیٹ لڑکا ہے۔ باپ پوچھ رہا ہے اور یہ ہونٹ سیے بیٹھا ہے۔"

یہ آواز مشاعل کی ممی کی تھی اور اسے لگا جیسے ان کے لمبے لمبے دانت اس کی گردن میں دھنس گئے ہوں۔ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ اس کے ساتھ ہی حبیب الرحمٰن جیسے غصے سے پاگل سے ہو گئے تھے۔ انہوں نے مشاعل کی ممی کی طرف دیکھا تھا۔

"اس کا ڈھیٹ پن تو میں نکالتا ہوں۔"

مشاعل کی ممی ہمیشہ جلتی پر تیل کا کام کیا کرتی تھیں۔ سو آج بھی کامیاب رہی تھیں۔ لاتیں' مکے' ٹھڈے' تھپڑ۔

حبیب الرحمٰن اس پر پل پڑے تھے۔ وہ نیچے گر گیا تھا۔ کچن کے دروازے پر ہاتھ رکھے مشاعل نے آنکھیں بند کر کے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے تھے' لیکن پھر چند لمحوں بعد آنکھیں کھول دیں۔ مینو اس کے کندھے پر سے دیکھ رہی تھی اور اس کے منہ سے چیخ چیخ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"مینو!" مشاعل نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔ "ہادی کو بہت درد ہو رہا ہو گا۔"

"ہوں!" مینو کے منہ سے نکلا تھا۔

حبیب الرحمٰن اندھا دھند مار رہے تھے اور وہ زمین پر گراپٹ رہا تھا۔ بے اختیار وہ کچن کے دروازے سے باہر نکل کر حبیب الرحمٰن کے قریب آئی۔

"انکل! یہ میچ دیکھنے جاتا ہے۔ ادھر ایگل کلب کے گراؤنڈ میں فٹ بال کے میچ ہو رہے ہیں۔"

"رات کے آٹھ بجے اس کا باپ میچ کھلاتا ہے وہاں؛" انہوں نے ہاتھ روک کر مشاعل کی طرف دیکھا تھا۔ "میچ چھ بجے ختم ہو جاتا ہے۔"

"جی!" وہ حبیب الرحمٰن سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی۔ "یہ صرف چند دنوں سے لیٹ آ رہا ہے ہمیشہ نہیں آتا لیٹ اور وہ....."

مشاعل کی ممی نے اس کے بازو میں اپنے لمبے ناخن کھبو دیے۔ اس کے منہ سے سسکاری نکلی اور اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ممی کی طرف دیکھا جو حبیب الرحمٰن کی طرف متوجہ تھیں۔

"آپ بھی غصے میں کچھ نہیں سوچتے سمجھتے۔ بچہ ہے۔ کیا اب مار ڈالیں گے اسے۔"

وہ زمین پر گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا اور اس نے ہاتھ زمین پر ٹیک رکھے تھے۔

"چلیں حبیب! کمرے میں' خوامخواہ بی پی ہائی ہو جائے گا۔"

مشاعل کی ممی نے حبیب الرحمٰن کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ انہوں نے ایک غصیلی نظر اس پر ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔ ان کے بالکل پیچھے مشاعل کی ممی تھیں۔ انہوں نے اس کے نیچے ٹکے ہوئے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا اور حبیب الرحمٰن کے ساتھ کمرے کی طرف بڑھیں۔ اب انہوں نے جان بوجھ کر پاؤں رکھا تھا یا انجانے میں' اس نے یک دم ہاتھ کھینچا تھا اور اس کے لبوں سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی تھی۔ لیکن حبیب الرحمٰن نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ دروازہ کھول کر اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ مشاعل کی ممی نے پیچھے مڑ کر مشاعل کی طرف دیکھا' جو ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"اپنے کمرے میں جاؤ۔" انہوں نے غصے سے مشاعل کی طرف دیکھا اور دروازے کو زور سے بند کرتی بیڈ روم میں چلی گئیں۔

وہ سیدھا ہوا۔ پورا جسم درد سے دکھ رہا تھا لیکن ہاتھ میں شدید تکلیف تھی۔ انگلیوں پر سے تھوڑی سی جلد چھل گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے اٹھا' اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ بغیر لائٹ جلائے اپنے بیڈ تک آیا۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ جو کھڑکی کے شیشوں سے آ رہی تھی۔

وہ بیڈ پر گر پڑا تھا۔

درد' تکلیف' بے وقعتی' ناقدری' بہت سارے احساسات تھے' جو اسے چیخ چیخ کر رونے پر مجبور کر رہے تھے' لیکن وہ ہونٹوں کو زور سے بھینچے کروٹ کے بل لیٹا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔ رونے سے زندگی آسان نہیں ہوتی مشکل ہو جاتی ہے۔ چند دن پہلے اس نے یہ جملہ کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بھی سختی سے بند کر لی تھیں۔ جن کے پیچھے سمندر ابل رہے تھے کیونکہ زندگی پہلے بھی آسان نہیں تھی اور وہ اسے مزید مشکل نہیں بنانا چاہتا تھا' سو وہ آنکھیں بند کیے ہونٹ بھینچے تکلیف برداشت کرنے کی اور آنسو پینے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے لگا کہ کوئی آ کر اس کے بیڈ پر بیٹھا ہے پھر اس کے بالوں میں کسی نے انگلیاں پھیریں۔

"ہادی میرے بچے' میرے چاند!" یہ آواز' یہ لمس وہ پہچانتا تھا۔

"ماما!" اس کے لبوں سے نکلا۔ اس نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ بیڈ پر کوئی نہیں تھا۔ اس کا تصور ہمیشہ اسے یوں ہی طلسم دکھاتا تھا یا پھر شاید لمحہ بھر کے لیے اسے غنودگی آ گئی تھی۔

"ماما!" اس کے لبوں سے پھر نکلا تھا اور اس نے دیوار کی طرف کروٹ بدل لی تھی اور رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"رونے سے اگرچہ زندگی آسان تو نہیں ہوتی لیکن دل پر دھرا بوجھ کم ضرور ہو جاتا ہے۔" وہ یہ بات نہیں جانتا تھا لیکن اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا اور اب وہ درد کی شدت سے رو رہا تھا جو برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیوں سے لے کر کندھے تک بے تحاشا درد تھا۔ پتا نہیں کتنی دیر تک وہ روتا رہا۔ لیکن درد بڑھتا جا رہا تھا۔

تب ہی دروازہ کھلا۔ باہر سے روشنی کی ایک مدھم سی لکیر اندر آئی اور اس کے ساتھ کسی کے قدموں کی آہٹ بھی' جو اس کے بیڈ کے پاس آ کر تھم گئی تھی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بھی جانتا تھا کہ اس کے کمرے میں کون آیا تھا۔ کون آ سکتا تھا' وہی جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر آتی تھی۔ کبھی فوراً' کبھی کچھ تاخیر سے۔ اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اپنی سسکی روکی اور اپنا چہرہ گویا دیوار سے چپکا لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کے آنسو دیکھے۔

"ہادی!" وہ مشاعل تھی' جو اسے پکار رہی تھی' لیکن وہ بے حس و حرکت لیٹا رہا۔ اس نے بیڈ پر گھٹنا ٹیک کر جھک کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی اور پھر وہ پائینتی کی

طرف آئی اور اسے دیکھنا چاہا لیکن وہ جیسے اور زیادہ دیوار سے چپک گیا اور اپنا بازو اس طرح چہرے پر رکھ لیا کہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔

"مجھے پتا ہے تم سو نہیں رہے ہو۔ اتنی تکلیف میں کوئی کیسے سو سکتا ہے۔ تمہیں درد ہو رہا ہے نا اور تمہیں بھوک بھی لگی ہو گی۔"

وہ تھی تو دس سال کی لیکن اس میں بلا کا اعتماد تھا اور وہ بہت ہوشیار تھی۔

"میں تمہارے لیے برگر لائی ہوں۔ انکل ہمارے لیے لائے تھے تمہارے اور میرے لیے۔"

وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اسی کی ممی تھیں جنہوں نے پاپا سے اس کی شکایت کی تھی۔ وہ یونہی لیٹا رہا۔ مشاعل کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر مڑ کر دروازے کے پاس آئی اور لائیٹ آن کر دی۔ پورا کمرا ایک دم روشن ہو گیا۔ اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی اس کی سسکی نکل گئی۔ حرکت کرنے سے ہاتھ کے درد میں اضافہ ہوا تھا۔

وہ بیڈ کے قریب آئی۔

"ہادی پلیز۔ اٹھ جاؤ نا۔ برگر ٹھنڈا ہو جائے گا اور یہ چاکلیٹ بھی ہے۔ تم یہ کھالو۔ میں مینو سے مانگ کر تمہارے لیے درد والی گولی بھی لے آؤں گی اور گرم دودھ بھی۔"

اس نے آنکھوں سے ہاتھ اٹھایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب کھڑی تھی۔ لمبی سفید جالی کی فراک پہنے، وہ اس وقت اسے کسی فرشتے کی طرح لگی۔ اس کی سانولی رنگت میں اس وقت ہلکی سرخی کی آمیزش تھی اور چہرے سے پریشانی جھلکتی تھی۔ وہ بہت تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی، جو خالی خالی نظروں سے بیڈ پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے صبح بھی ناشتا نہیں کیا تھا بس چائے پی تھی۔ اور پھر اسکول سے آکر تم سو گئے تھے۔ کھانے کے لیے ممی نے تمہیں جگانے نہیں دیا اور پھر جاگنے کے بعد تم میچ دیکھنے چلے گئے۔ مجھے پتا ہے تمہیں بھوک لگی ہے۔" اس نے برگر اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

وہ کھانا نہیں چاہتا تھا۔ مشاعل سے لے کر تو ہرگز نہیں، لیکن برگر کو دیکھ کر اس کے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی تھی۔ مشاعل برگر کے اوپر سے براؤن کاغذ ہٹا رہی تھی۔

"لو۔" اس نے تھوڑا سا ریپر ہٹا کر اس کی طرف برگر بڑھایا۔

بالکل غیر ارادی طور پر اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر برگر پکڑ لیا۔ اسے بھوک لگی تھی۔ وہ صبح سے بھوکا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ریپر مزید نیچے کرنا چاہا لیکن درد کی شدید لہریں انگلیوں سے ہوتی پورے جسم میں سرائیت کر گئی تھیں اور رنگت درد کی شدت سے یوں زرد پڑ گئی جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا۔

"تمہارا ہاتھ!" مشاعل نے اس کا ہاتھ ایک دم پکڑا۔

"یہ... یہ چھل گیا ہے اور یہ سوج بھی گیا ہے۔ کیسے اتنا زیادہ۔"

"تمہاری ممی نے اپنا پاؤں رکھا تھا اس پر۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

یہ اتفاق نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا انہوں نے دانستہ پاؤں رکھ کر اس پر دباؤ بھی ڈالا تھا۔

"نہیں... اوہ۔" مشاعل کی آنکھوں میں جیسے اس کا درد اُتر آیا تھا۔ "یہ اتنی تیزی سے سوج رہا ہے ہادی! مجھے لگتا ہے۔ تمہاری انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ میرا مطلب ہے انگلی کے اندر جو ہڈی ہوتی ہے وہ... ممی کتنی موٹی ہیں۔ مائی گاڈ!

وہ ہادی سے صرف ایک سال چھوٹی تھی۔ لیکن پوری دادی اماں تھی۔ ممی کبھی کبھی اسے "میری نانی" کہتی تھیں۔

ہادی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ مشاعل کی ممی ہی تھیں نا جنہوں نے اس کا ہاتھ کچلا تھا۔ لیکن مشاعل تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں مینو کو بتاؤں۔" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اسے اس گھر میں مینو کے علاوہ شاید ہادی کا کوئی اور ہمدرد نظر نہیں آیا تھا۔ لیکن ہادی خاموش رہا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں پکڑے برگر کا ایک چک لیا۔

"میں تمہارے لیے پانی اور گولی لاتی ہوں۔ تمہیں بہت درد ہو رہا ہے، مجھے پتا ہے۔"

وہ تیزی سے مڑی اور کمرے سے نکل گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا، جو پہلے سے زیادہ سوج گیا تھا۔ مشاعل کہہ رہی تھی کہ انگلی ٹوٹ گئی ہے۔ اسے بہت رونا آیا۔ اس کے ہاتھ تو پہلے ہی کمزور تھے یوں تو مشاعل اس سے چھوٹی تھی، لیکن وہ اس کے مقابلے میں بہت ساری چیزوں کے متعلق اس سے زیادہ جانتی تھی اور شاید زیادہ سمجھ دار تھی۔ وہ دونوں ایک ہی اسکول میں اور ایک ہی کلاس میں تھے۔ دونوں ففتھ کلاس میں تھے۔ وہ گیارہ سال کا تھا اور وہ دس سال کی تھی، لیکن وہ اس کے مقابلے میں زیادہ ذہین تھی یا شاید اس نے دیر سے داخلہ لیا تھا کہ دونوں ایک ہی کلاس میں تھے۔

مشاعل تین سال پہلے اپنی ممی کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی۔ کیونکہ اس کی اپنی ماما کا سال بھر پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ وہ سات سال کا تھا تب جب مما کا انتقال ہوا تھا۔ وہ آٹھ سال کا تھا جب حبیب الرحمٰن نے مشاعل کی ممی سے شادی کر لی تھی۔ مشاعل کی ممی کی آنکھوں میں پہلے دن ہی اس نے اپنے لیے ناپسندیدگی محسوس کی تھی، لیکن مشاعل اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ جب سے آئی تھی اسے اپنا دوست بنانا چاہتی تھی، لیکن وہ کبھی بھی اسے اپنا دوست نہیں بنانا چاہتا تھا کیونکہ وہ مشاعل تھی۔ ان کی بیٹی جن کے آنے کے بعد اس کے پاپا اسے نظر انداز کرنے لگے تھے، جو بڑے دھڑلے سے اس کی ماما کے بیڈ روم میں رہتی تھیں اور ان کی چیزیں استعمال کرتی تھیں اور جو اس سے نفرت کرتی تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ اس کی ہمدردی اور اس کے تعاون کو قبول کر لیتا تھا کیونکہ اس کے پاس دوسرا راستہ تھا ہی نہیں۔

ایک بار جب ممی نے اسے واش روم میں بند کر دیا تھا تو یہ مشاعل ہی تھی جس نے رات کو، جب وہ خوف اور ڈر سے مرنے والا تھا باہر نکالا تھا۔ اس روز پاپا اپنے کام کے سلسلے میں کراچی گئے ہوئے تھے، اور جب بھی ممی اسے کھانا نہیں دیتی تھیں، مشاعل ہی رات کو ممی کے سونے کے بعد اسے مینو سے لے کر چپکے سے کھانا دے جاتی تھی۔

وہ مشاعل کی مدد کبھی بھی نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن اسے اس کی مدد لینی پڑتی تھی۔ آج بھی وہ مشاعل کا احسان نہیں اٹھانا چاہتا تھا، لیکن خالی پیٹ میں بھوک سے آنتوں میں بل پڑ رہے تھے۔ وہ پانی اور ٹیبلٹ لینے چلی گئی تھی۔ وہ منع کرنا چاہتا تھا لیکن کر نہیں سکا تھا اور اب بیڈ پر بیٹھا برگر کھا رہا تھا، لیکن ہاتھ میں درد اتنا شدید تھا کہ اس سے کھایا نہیں جا رہا تھا۔ آدھا برگر کھا کر اس نے باقی آدھا سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور دعا کرنے لگا تھا کہ مشاعل جلدی سے گولی لے کر آجائے۔

اسے یقین تھا کہ گولی کھانے سے اس کے ہاتھ کا درد ٹھیک ہو جائے گا یا کم ہو جائے گا۔ حالانکہ درد ہر جگہ تھا، پسلیوں میں، کمر میں، رانوں پر، حبیب الرحمٰن کے ٹھڈے لاتیں جہاں جہاں لگے تھے سب جگہ، لیکن ہاتھ کا درد ناقابل برداشت تھا اور مشاعل ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اب وہ گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا تھا۔ وہ سونا چاہتا تھا لیکن درد اتنا شدید تھا کہ سونا بھی مشکل تھا۔ اس نے چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا اور ایک بار پھر رو رہا تھا ہولے ہولے۔

مشاعل کچھ دیر بعد آئی تھی۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھایا اور دائیں ہاتھ سے آنسو پونچھے۔ مشاعل نے تاسف اور دکھ سے اسے دیکھا۔

"مجھے پتا ہے ہادی! تمہیں بہت درد ہو رہا ہے لیکن وہاں نیچے کچن میں ممی تھیں۔ مینو سے سنی کی فیڈر دھلوا رہی تھیں اپنے سامنے۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس اور گولی اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے خاموشی سے گلاس پکڑ کر گولی کھالی تو مشاعل نے گلاس لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ اور ٹیبل پر پڑا برگر اٹھا کر دراز میں رکھ دیا۔

"جب بھوک لگے تو پھر کھالینا۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے برگر کیوں چھپایا ہے کہ

کہیں ممی نہ آجائیں۔ اتنی شدید تکلیف میں بھی وہ مشاعل کی اس حرکت پر مسکرایا۔ اس کی ممی ٹھیک کہتی تھیں کہ وہ پوری دادی اماں ہے۔ مشاعل اب فراک کی جیب سے ایک ٹیوب نکال رہی تھی۔

"ہاتھ مجھے دو ہادی! مالش کردوں۔ ممی کے گھٹنوں میں جب درد ہوتا ہے تو وہ یہ لگاتی ہیں۔"

اس نے خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا لیکن اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"نہیں بس اب تم جاؤ۔ میں سو جاؤں گا۔"

"اچھا لیکن تم دروازہ اندر سے لاک نہ کرنا۔ مینو جب مجھے دودھ دینے آئے گی تو میں وہ تمہیں دے جاؤں گی۔"

ممی نے یہ کہہ کر کہ اسے دودھ پسند نہیں ہے مینو کو منع کردیا تھا کہ رات کو اس کے لیے دودھ نہ لے جایا کرے۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔"

اس نے آہستگی سے کہا اور لیٹ گیا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ کچھ دیر یونہی سیدھا لیٹا رہا پھر اس کی آنکھوں کے کونوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔ آخر وہ گیارہ سال کا بچہ ہی تو تھا۔

✡ ✡ ✡

پارٹی عروج پر تھی۔ ایلن کی نظریں بار بار داخلی دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"کیا کوئی خاص مہمان آرہا ہے؟" ڈیوڈ نے اس کے جام کے ساتھ جام ٹکرایا۔

"میرے لیے خاص ہی ہے۔" ایلن مسکرایا۔

تب ہی پال اور مارتھا کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے سرخ لانگ اسکرٹ پر سیاہ بلاؤز پہنا ہوا تھا' بلاؤز پر سرخ ستاروں اور سرخ نگینوں سے دو چھوٹے چھوٹے پھول بنے ہوئے تھے۔ گلے میں ایک نازک سی چین تھی اور نیچرل لک دیتے میک اپ کے ساتھ' وہ وہاں موجود سب لڑکیوں سے مختلف لگ رہی تھی۔ اس کی سانولی رنگت میں بلا کی ملاحت تھی اور اس کی سیاہ آنکھوں کا سحر مسحور کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور آنکھوں میں انجانا سا ملال ہلکورے لیتا تھا۔ ڈیوڈ نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا اور ایلن کو کہنی ماری۔

"یہ ہے تمہاری بیوٹی کوئن ایلی!"

ایلن نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔

"ہیلو مسٹر اینڈ مسز پال.... آپ بہت دیر سے آئے۔"

"سوری۔ ہم کچھ لیٹ ہوگئے۔" مارتھا مسکرائی تو اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہیلو جوزی! بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ اتنی کہ دل بے قابو ہو رہا ہے۔"

اس نے جھجکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر فوراً چھوڑ دیا اور اس کے اگلے جملے پر اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی اور آنکھوں سے ناگواری جھلکنے لگی تھی۔ ڈیوڈ نے حیرت سے اس کی ناگواری اور جھجک کو دیکھا۔

"یہ لڑکی!"

"یہ جوزفین ہے مسٹر پال اور مارتھا کی بیٹی۔" ایلن نے تعارف کروایا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی پیاری لڑکی۔"

ڈیوڈ کی نظریں جیسے اس کے وجود کے اندر اتر رہی تھیں۔ اس نے جوزفین سے ہاتھ ملایا تو پھر دیر تک نہ چھوڑا۔ اس سردی میں بھی اس کے ہاتھوں میں پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کھینچا تو ڈیوڈ نے ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا۔ پال اور مارتھا ہال میں آگے بڑھ گئے تھے' جہاں پال کے کچھ فرینڈز بیٹھے ہوئے تھے۔ ایلن نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"آؤ جوزی! اپنے دوستوں سے ملواؤں۔"

وہ بنا کچھ کہے اس کے ساتھ چل دی اور کہنے کو اس کے پاس تھا ہی کیا۔ کیا کہتی وہ کہ وہ اس کے دوستوں سے نہیں ملنا چاہتی.... اور اگر وہ مارتھا کو بتا دیتا کہ اس نے ایسا کیا ہے تو پھر خواہ مخواہ شامت آجاتی اس کی۔

وہ ٹرالی کچن میں رکھ کر اور چیزیں سمیٹ کر اپنے کمرے میں آکر کتاب پڑھنے لگی تھی۔ مطمئن تھی کہ اس لڑائی کے بعد پارٹی میں جانا کینسل ہو جائے گا لیکن کچھ ہی دیر بعد مارتھا نے آکر اس کا اطمینان غارت کر دیا تھا۔

"پال کہہ رہا ہے۔ بیس منٹ میں تیار ہو کر آجاؤ۔"

پتا نہیں مارتھا کیوں چاہتی تھی کہ وہ ایلن کے ساتھ دوستی کرے۔ جانے کیا مفاد تھا اس کا' اور پال بھی تو یہی چاہتا تھا' لیکن وہ ایسا نہیں چاہتی تھی اور وہ کیا چاہتی تھی۔ اسے خود علم نہیں تھا۔ دو سال پہلے وہ یہاں آئے تھے۔ پال کے بڑے بھائی بہت سال پہلے یہاں آئے تھے اور یہاں ہی سیٹل ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے بہت کوششوں سے انہیں بلوایا تھا۔

یہاں آنے سے پہلے وہ کراچی میں تھے۔ کراچی میں وہ بہت خوش نہیں تو ناخوش بھی نہیں تھی۔ پال اس کا بہت خیال رکھتا تھا بلکہ اس سے بہت محبت کرتا تھا اور مارتھا کا رویہ نہ اچھا تھا نہ برا۔ وہ اس کے معاملات میں زیادہ دخل نہ دیتی تھی لیکن یہاں آکر وہ بہت بدل گئی تھی۔ وہاں کراچی میں اس کی پال سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی' لیکن یہاں وہ اکثر لڑتے رہتے تھے۔ پال کے بھائی نے صرف چند ہفتے انہیں پاس رکھا تھا اور پھر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کہیں اور بندوبست کرلیں کیونکہ اس کی برٹش بیوی کو پسند نہیں تھا سو مارتھا کو بھی جاب کرنا پڑی تھی۔ پال بھی جاب کر رہا تھا۔ صرف وہ تھی جو ابھی تک گھر پر ہی رہتی تھی۔

یہاں آکر اس کا تعلیمی سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا' جس کا اسے بہت دکھ تھا' لیکن وہ اس کی پڑھائی کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں غیر ملکیوں کے لیے پڑھائی بہت مہنگی تھی۔ ہاں برٹش نیشنلز کے لیے بہت سہولتیں تھیں۔ ہائر ایجوکیشن میں اور پروفیشنلز کالج میں بھی ان کے لیے بہت رعائتیں تھیں۔ اس کی تعلیم صرف او لیول تک تھی۔ وہ اپنا اے لیول مکمل نہیں کرسکی تھی جب انہیں یہاں آنا پڑا تھا... پال بھی چاہتا تھا اور وہ بھی کہ وہ اپنا اے لیول مکمل کر لے' صرف چند ماہ کی بات تھی' لیکن یہ مارتھا کی ضد تھی کہ اب اگر مارشل نے انہیں اسپانسر کیا ہے اور انہیں ایک موقع مل رہا ہے باہر جانے کا تو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

تو پچھلے سات سالوں سے وہ مارشل کی منتیں کر رہی تھی کہ وہ انہیں کسی نہ کسی طرح وہاں بلوا لے اور اب یوں اس کی تعلیم کا صرف ایک ہی فائدہ تھا کہ اس کی انگلش بہت اچھی تھی جبکہ مارتھا جو گریجویٹ تھی اور اس نے بی ایڈ بھی کر رکھا تھا' روانی سے بات نہیں کر سکتی تھی۔

شروع میں تو اسے خاصی مشکل درپیش ہوئی تھی۔ مارشل کی انگریز بیوی اور اس کے بچے اس کی انگریزی سن کر بہت ہنستے تھے لیکن اب دو سالوں میں وہ روانی سے بولنے لگی تھی۔ دو سال سے وہ ایک اسٹور میں جاب کر رہی تھی اور پال کسی فیکٹری میں کام کرتا تھا اور یہ نوکریاں انہیں مارشل کی وجہ سے فوراً" ہی مل گئی تھی۔

مارتھا تو چاہتی تھی کہ جوزفین بھی جاب کرلے لیکن یہ پال تھا جس کی مشرقی روح اور جوزفین سے محبت اسے روکتی تھی اور ابھی تک وہ جوزفین کو جاب کے لیے نہیں کہہ سکا تھا بلکہ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ جوزفین کی ٹوٹی ہوئی تعلیم کا سلسلہ پھر سے جوڑ سکے۔

وہ جوزفین کو ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا اور اگر وہ پاکستان میں رہتا تو ایسا کر سکتا تھا۔ وہ بہت لائق تھی۔ اس نے او لیول میں نائن اسٹارز لیے تھے اور اسے یقین تھا کہ اے لیول میں بھی اس کا رزلٹ شان دار ہوگا۔ لیکن یہ یہاں آکر ممکن نہیں ہو سکا تھا۔ یہاں اخراجات بہت زیادہ تھے۔ وہ جتنا کماتے تھے سب مکان کے کرائے' بلوں اور ٹیکسوں وغیرہ پر خرچ ہو جاتا تھا۔ وہ دو سال میں کچھ بھی بچت نہیں کر سکا تھا۔

ایلن اسے سب سے ملواتا پھر رہا تھا۔

"ہے ایلی! تمہاری گرل فرینڈ تو بڑی زبردست ہے'

کیا فگر ہے۔" وہ شاید ایلین کا کوئی دوست تھا۔ اس نے بمشکل اپنی ناگواری چھپائی۔

"اوہ یاہ!" ایلین نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا اور اپنا ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کیا اور یوں ہی لیے ہوئے ایک ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

"تم بیٹھو میں تمہارے لیے ڈرنک لاتا ہوں۔"

وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے پال کو دیکھنے کے لیے چاروں طرف نظر دوڑائی، اس سارے ہجوم میں صرف وہی تھا، جو اس کی کیفیات سمجھ سکتا تھا کہ وہ بہرحال اس کا باپ تھا اور اس نے بھی اپنی دو سال پہلے تک کی زندگی ایک بالکل مختلف ماحول میں گزاری تھی۔ اور اس نے مارتھا سے دبے لفظوں میں کہا بھی تھا کہ اگر جوزی نہیں جانا چاہتی تو نہ جائے۔ لیکن ابھی کچھ دیر پہلے ہونے والی لڑائی کی وجہ سے وہ زیادہ تکرار نہیں کر سکا تھا۔

ہال میں مختلف میزوں پر لوگ بیٹھے باتوں میں مشغول تھے۔ ایک کونے میں شیشے کی ٹیبل پر چھوٹا سا کرسٹل کا کرسمس ٹری رکھا ہوا تھا۔ جس میں لگے ننھے ننھے رنگین بلبوں سے روشنی نکال رہی تھی۔ وہ بہت خوب صورت تھا۔ اتنا خوب صورت اور اتنا قیمتی کرسمس ٹری اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، شاید اس میں لٹکے یاقوت اصلی تھے۔ وہ حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے پال کہیں نظر نہیں آیا اور اب اس کی نظریں ٹری پر تھیں۔

کرسمس ٹری والی ٹیبل کے ساتھ ہی کوئی خاموش بیٹھا تھا... وہ اکیلا تھا اور وہ ڈرنک بھی نہیں کر رہا تھا۔ جب اس نے اچانک سر اٹھایا تو وہ چونک گئی... وہ تو وہی تھا... سیاہ گھور سیاہ آنکھوں والا ان کا پڑوسی... لیکن اس کے ساتھ وہ لڑکی نہیں تھی... کیا نام تھا اس کا۔ اس نے ذہن پر زور دیا۔

"خوش جمال۔"

تب ہی ایلین دو گلاس ہاتھ میں لیے آگیا۔

"یہ۔" اس نے گلاس کی طرف اشارہ کیا اور نفی میں سر ہلایا۔

"میں ڈرنک نہیں کرتی۔"

"تمہاری عمر کتنی ہے سوئٹی۔" اس نے پوچھا۔

"اٹھارہ سال سات ماہ۔"

"تو تم قانوناً" پی سکتی ہو۔"

"نہیں مجھے نہیں پینا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آج کرسمس ہے ڈیر! اس کی خوشی میں۔"

اس نے پھر انکار میں سر ہلا دیا۔

"او کے ایز یو وش۔"

اس نے ہلکا سا سر خم کیا اور اس کے لیے کولڈ ڈرنک منگوائی اور اس کے گلاس سے ٹکرا کر مسکرایا۔

"اس خوب صورت شام کے نام جب تم میری آنکھوں کے سامنے ہو۔"

وہ شعوری کوشش سے مسکرائی۔ اسے اب یہاں ہی زندگی گزارنی تھی، بہت جلد انہیں برٹش پاسپورٹ مل جائے گا۔ پال کا یہی خیال تھا اور پھر شاید۔

وہ زندگی جو وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی، وہ اس زندگی سے بالکل مختلف تھی اور یہ زندگی اور اس کے تقاضے اس زندگی سے مختلف تھے۔ یہ سب اس کے ہم مذہب تھے، لیکن وہ ان کے ساتھ گھل مل نہیں پا رہی تھی۔ وہاں اس کا رہن سہن، رسم و رواج، اقدار سب مختلف تھیں۔ وہاں کے رسم و رواج اور رہن سہن کے مطابق سب وہی پاکستانیوں کی طرح شادی میں مہندی مایوں سارے فنکشن ہوتے تھے۔ اسے اپنی پھوپھی مارگریٹ کی شادی یاد تھی۔ بقول مارتھا کے، وہ دیسی عیسائی تھے اور سوائے چھٹی والے روز چرچ سروس کے لیے جانے، کرسمس اور ایسٹر منانے، یسوع مسیح اور کنواری مریم کے پیروکار ہونے کے علاوہ ان میں عیسائیوں والے اور کیا رواج تھے بھلا۔ لیکن اب انہیں پورا عیسائی بننا تھا۔ وہاں وہ اقلیت تھے اور یہاں اکثریت... انہیں اب اکثریت کے ساتھ رہنا تھا لیکن سولہ سالوں تک وہ شلوار قمیص دوپٹے میں خود کو جتنا آرام دہ محسوس کرتی تھی، جینز شرٹ اور اسکرٹ وغیرہ میں نہیں۔ اسے لگتا تھا جیسے سب اسے ہی دیکھ رہے ہوں۔ کبھی وہ سینے پر ہاتھ باندھ لیتی، کبھی گلے میں مفلر

لٹکا لیتی اور کبھی اپنے بال دو حصوں میں تقسیم کر کے آگے ڈال لیتی۔

مارتھا ہنستی تھی اس پر۔

"اب تو آدھے پاکستان کی آدھی عورتیں یونہی ننگے سر ٹی شرٹس اور جینز پہنے سڑکوں پر دندناتی پھرتی ہیں۔ ٹی وی پر کبھی کسی کو دوپٹا لیے نہیں دیکھا اور یہ 1950ء کی پیداوار۔"

ایلن اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے جیسے اس کی خوب صورت آنکھوں میں ڈوب جانا چاہتا تھا۔

"آج رات رک جاؤ جوزی!"

"نہیں، میں نہیں رک سکتی سوری!"

وہ گھبرا کر ایک بار پھر پال کو دیکھنے کے لیے ادھر اُدھر نظر دوڑانے لگی۔ تب ہی میوزک بجنے لگا۔ جوڑے اٹھ کر تھرکنے لگے۔ آج کرسمس کی رات تھی اور سب ہی خوش تھے۔

اس نے دیکھا، مارتھا ایک ادھیڑ عمر مرد کا ہاتھ تھامے فلور کی طرف جا رہی تھی۔ وہ یقیناً" نشے میں تھی۔

پچھلے کرسمس پر مارشل کے ہاں وہ سب کس قدر شرمندہ ہوئے تھے۔ مارشل انجینئر تھا۔ اس کے تعلقات جن لوگوں سے تھے، اس کا شرمندہ ہونا بجا تھا۔ اس کی برٹش بیوی جو ڈاکٹر تھی اس نے بعد میں جو کچھ مارشل سے کہا تھا۔ وہ ناقابل بیان تھا شاید اسی لیے اس بار مارشل نے انہیں نہیں بلایا تھا۔ اس نے مارتھا پر سے نظریں ہٹالیں۔

"خیر، آؤ۔" ایلین نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"مجھے ڈانس کرنا نہیں آتا۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"کم آن سوئٹی!" ایلین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا تھا۔

"ایلی پلیز۔" اس نے التجا کی۔

"یہ ادھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھو۔" اس نے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کیا۔ وہ جھجک کر اور ڈر ڈر کر پاؤں اٹھا رہی تھی۔ اس کے قدم میوزک کے ساتھ ہم آہنگ نہیں تھے۔ اس کی نظروں نے مارتھا کو ڈھونڈا تھا... وہ ناچ رہی تھی، بلکہ بے ڈھنگے انداز میں ادھر سے اُدھر لچک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سے کپ کا اس بوڑھے شخص کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا اور اسے دیکھ کر جوزفین کو پنجابی فلموں کا تصور آ رہا تھا۔ لوگ ہنس رہے تھے بلکہ قہقہے لگانے لگے تھے۔

اس نے شرمندہ ہو کر مارتھا پر سے نظریں ہٹالی تھیں اور چاہتی تھی کہ دوبارہ مارتھا کی طرف نہ دیکھے۔ ایلین کے ہونٹ اس کے گردن کو چھو رہے تھے۔

انجانے میں یا جان بوجھ کر، وہ نہیں جانتی تھی۔ اس کی قربت سے سرشار ہو کر اس نے اور بھی اسے قریب کیا تھا لیکن جوزفین نے اس کا پاؤں کچل دیا تھا۔ اس کے قدم صحیح نہیں اٹھ رہے تھے۔ وہ پہلی باریوں کی لے کے ساتھ... جب تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو اس نے یک دم ایلین کا ہاتھ اپنی کمر سے ہٹایا اور تقریباً" بھاگتی ہوئی فلور سے اُتر کر رکے بغیر ہال سے باہر نکل گئی۔

ایلین نے اسے باہر جاتے دیکھا۔ حیرت سے کندھے اُچکائے اور جینی کی طرف بڑھا، جو کچھ دیر پہلے فلور پر کرسٹل کے ساتھ تھی اور اب ڈیوڈ کی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"جینی! کیا تم میرے ساتھ رقص کرنا پسند کرو گی؟"

"وائے ناٹ!" وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ ڈیوڈ نے اپنا گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھا اور ہال سے باہر نکل آیا۔ کسی نے جوزفین کو ایلین کا ہاتھ ہٹاتے اور باہر جاتے نہیں دیکھا۔ سب مستی میں تھے، لیکن ڈیوڈ نے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔

اسے یہ شرماتی جھجکتی لڑکی اچھی لگی تھی۔ اگر وہ ایلی کو پسند نہیں کرتی تو ضروری نہیں مجھے بھی پسند نہ کرے۔ ایلین تو یوں بھی۔

وہ مسکرایا اور کچھ سوچتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ وہ سیڑھیوں پر بیٹھی تھی، اس نے گھٹنوں پر سر رکھا ہوا تھا، اور غالباً" رو رہی تھی۔ وہ سب اس پر بھی ہنس رہے ہوں گے ایلی سمیت، جس طرح وہ مارتھا پر ہنس رہے تھے اور انہیں ہنسنا چاہیے۔ کاش ہم یہاں نہ آتے، وہاں ہی رہتے وہاں زندگی اچھی تھی۔ میں اب کسی میڈیکل کالج میں ہوتی اور چند سالوں بعد ایک معزز ڈاکٹر۔

ڈیوڈ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ "تم یہاں کیوں آگئی ہو؟"

وہ اس کے پاس ہی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔

ایلن کا گھر کا بہت خوب صورت تھا۔ یہاں چار سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں کے اطراف دو چھوٹے چھوٹے سبز گھاس والے قطعے تھے، جن پر خوب صورت پھولوں والے گملے رکھے تھے اور کناروں پر درخت تھے۔

"ویسے ہی۔" اس نے جلدی سے ہاتھوں کی مٹھیوں سے آنسو پونچھے۔

"کیا ایلی سے ناراض ہو گئی ہو؟"

"نہیں تو۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کیوں رو رہی ہو؟"

"بس ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا۔"

"کیا کوئی یاد آ رہا تھا؟" ڈیوڈ نے پوچھا۔

"ہاں دادا... اپنے گرینڈ پا یاد آ رہے تھے۔"

"اوہ!" ڈیوڈ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسا۔ "میں سمجھا کوئی بوائے فرینڈ۔"

"میرا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے۔" اس کے لہجے سے خفگی کا اظہار ہوتا تھا۔

"اوہ۔" ڈیوڈ نے ہونٹ سکیڑے۔ "ویسے تمہارا وطن کون سا ہے۔ میرا مطلب ہے تم کہاں سے آئی ہو؟"

"پاکستان سے۔"

"بٹ یو آر کرسچن... ایم آئی رائٹ۔"

"یس آف کورس!" اس کے لہجے میں ایک فخر جھلک آیا۔ "میں ایک سچی عیسائی ہوں۔ میرے دادا وہاں پادری ہیں۔ ہمارا گھرانا بہت مذہبی ہے اور میں سنڈے مارننگ سروس کے لیے ہمیشہ جاتی تھی۔"

ڈیوڈ دل ہی دل میں مسکرایا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ بچپن سے لے کر اب تک وہ کتنی بار چرچ گیا تھا۔

"اوہ... اچھا سمجھا۔ ایلی نے کوئی گستاخی کی ہو گی۔" اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

"ویسے تم ہو ہی اتنی کیوٹ... تمہارا قد، تمہارے بال، تمہارا فگر، تمہاری آنکھیں۔ اف! سب بہت اٹریکٹو ہیں۔ کیا تمہیں کبھی کسی نے نہیں بتایا۔"

"میری گرینڈ مام نے۔ کہتی تھیں کہ میں بہت کیوٹ ہوں۔"

ڈیوڈ کا دل قہقہہ لگانے کو چاہا۔ لیکن وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"وہ صحیح کہتی تھیں، تمہیں دیکھ کر خود کو روکنا بہت مشکل ہے۔" وہ اور جھکا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں اندر چلتی ہوں، ممی ڈیڈی پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

ڈیوڈ وہاں ہی سیڑھی پر بیٹھا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا جب کہ وہ نروس سی کھڑی ہاتھ رگڑ رہی تھی۔

تب ہی دروازہ کھلا اور آنے والے کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ آنے والے نے ڈیوڈ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی تھی۔

"ڈیوڈ! مجھے اجازت ہے۔ میں کچھ تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

"او... یس تمہارے آنے کا شکریہ۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلا رہا تھا۔ پھر وہ جوزفین کی طرف مڑا، جواب بھی نروس سی کھڑی تھی۔

"جوزی! یہ میرا دوست ہے۔ غلام مصطفیٰ، ایک بہترین فٹ بالر... ایلما کلب کی طرف سے کھیلتا ہے، لیکن بہت جلد مانچسٹر یونائیٹڈ کی سرخ جرسی پہننے والا ہے۔"

اس کی سیاہ آنکھوں میں یک دم جگنو سے چمکے تھے۔

"اور تم بھی مجھے بہت جلد سرخ جرسی پہنتے نظر آ رہے ہو۔" اس نے مسکرا کر ڈیوڈ کو دیکھا تھا۔

"آپ نے کبھی ڈیوڈ کو کھیلتے دیکھا۔"

وہ پوچھ رہا تھا... اور وہ ڈیوڈ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی... ابھی آج ہی تو پہلی بار وہ ڈیوڈ سے ملی تھی۔ اس نے نفی میں سرہلایا۔

"آپ کو فٹ بال سے دلچسپی نہیں؟"

اسے فٹ بال کے علاوہ اور کسی کھیل سے دلچسپی تھی ہی نہیں۔ وہ بہت شوق سے فٹ بال کے میچز دیکھا کرتی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ بھنورا سی آنکھیں۔ اوہ تو شاید تب ہی اس کی آنکھیں اسے جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔ اس نے ایلما فٹ بال کلب کے پچھلے دنوں ہونے والے سارے میچز دیکھے تھے۔ اور ایلما کے اس سیاہ آنکھوں والے کھلاڑی کو بہت کوریج دی گئی تھی۔ وہ جو پچھلے کئی دنوں سے الجھ رہی تھی اور یہ سیاہ آنکھیں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں کہ بھلا پہلے کب اور کہاں اس نے یہ آنکھیں دیکھی تھیں... آج یہ الجھن خود بخود سلجھ گئی تھی۔ بہت مطمئن سا ہو کر اس نے اپنی طرف دیکھتے مصطفیٰ سے کہا۔

"بہت... مجھے فٹ بال کا کھیل بہت پسند ہے اور میں ٹی وی پر دکھایا جانے والا ہر میچ دیکھتی ہوں۔"

"گڈ!" ڈیوڈ مسکرایا۔ "تو پھر مجھے ضرور جانتی ہوں گی ڈیوڈ کیمرون۔"

اب کے اس نے چونک کر سرہلایا تھا۔

ڈیوڈ کیمرون جس پر سارے یورپ کی نظریں لگی تھی۔

"مجھے ایک بار پھر تم سے مل کر خوشی ہوئی۔"

ڈیوڈ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پرجوش مصافحہ کیا۔ وہ جھینپ کر مصطفیٰ کو دیکھنے لگی اور اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"تم گھر جا رہے ہو تو کیا لفٹ دے سکتے ہو مجھے؟"

وہ حیران ہوا لیکن اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"میں پاپا کو بتا کر آتی ہوں، دراصل مجھے بھی تھکن ہو رہی ہے۔ پارٹی تو دیر تک چلے گی۔" وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ ڈیوڈ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"اسے تم جانتے ہو پہلے سے۔"

"صرف اتنا کہ یہ میرے گھر کے سامنے رہتی ہے۔"

"اوہ... ہو!" ڈیوڈ نے ہونٹ سکیڑے۔ "مشرقی حسن!" وہ بڑبڑایا۔

اس نے ہال میں داخل ہو کر چاروں طرف دیکھا تھا۔ اور پھر اسے پال ایک کونے میں تنہا بیٹھا نظر آ گیا۔

"پاپا!" اس نے شکر کیا تھا کہ مارتھا اس کے ساتھ نہیں تھی۔

"پاپا! میں گھر جا رہی ہوں... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

پال جو ہلکے ہلکے سرور میں تھا اس نے سرہلا دیا اور اس نے شکر کیا کہ پاپا نے زیادہ سوال نہیں کیے۔ اگر وہ نارمل حالت میں ہوتا تو ضرور سوال کرتا کہ کیسے کیوں، کس کے ساتھ وغیرہ وغیرہ۔

وہ فوراً ہی باہر نکل آئی تھی۔ جہاں ڈیوڈ اور وہ لڑکا مصطفیٰ انگلش پریمیئر لیگ بولٹن کے متعلق باتیں کر رہے تھے جو مانچسٹر یونائیٹڈ کے ساتھ جلد ہی مقابلے کے لیے میدان میں اترنے والی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے آتے دیکھا تو ڈیوڈ سے ہاتھ ملایا۔

"او کے ڈیوڈ بائے۔"

وہ پارکنگ کی طرف بڑھا تو وہ اس کے ساتھ ساتھ تھی اور حیرت کی بات تھی، ہر ایک سے ڈرنے والی جوزفین اس کے ساتھ اکیلے گھر جاتے ہوئے بالکل خوفزدہ نہ تھی۔

"اور ڈیوڈ کا دل تم پر آ گیا ہے۔ بیوٹی کوئین اور جس پر اس کا دل آ جائے وہ اسے اپنا بنائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ ڈیوڈ کیمرون مستقبل کا عظیم کھلاڑی۔"

اس نے جاتی ہوئی جوزفین کو دیکھا اور دروازہ کھول کر واپس اندر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ کچھ دیر ہادی کے کمرے کے باہر دروازے کے ساتھ لگی کھڑی رہی۔ اندر سے ہادی کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ دو بار اس نے ناب پر ہاتھ رکھا۔ وہ اندر جا کر اسے تسلی دینا چاہتی تھی۔ اس کے آنسو پونچھنا چاہتی تھی، لیکن اس کے تسلی بھرے الفاظ یا اس کے آنسو پونچھ لینے سے ہادی کا درد کم نہیں ہو سکتا تھا۔

اگر اس کی انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں تو اسے کچھ اور کرنا چاہیے۔ کچھ ایسا جس سے اس کا درد کم ہو جائے لیکن وہ ایسا کیا کرے۔ اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور بنا آہٹ کیے سیڑھیاں اترنے لگی۔

اس کا بیڈ روم نیچے تھا۔ ممی کے بیڈ روم کے ساتھ، پہلے وہ بیڈ روم ہادی کا تھا لیکن جب وہ ممی کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی تو ممی نے حبیب الرحمٰن سے یہ کہہ کر وہ لڑکی ہے اور چھوٹی بھی ہے اسے تنہا اوپر خوف آئے گا۔ (نیچے دو ہی بیڈ روم تھے) اور ہادی لڑکا ہے ہادی کا بیڈ روم اسے دے دیا تھا اور ہادی اوپر شفٹ ہو گیا تھا۔ اس نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ حبیب الرحمٰن لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ وہ اکثر ممی اور سنی کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے اپنا کوئی پسندیدہ ٹاک شو دیکھنے کے لیے لاؤنج میں آ جاتے تھے۔ پہلے وہ ایک دم خوف زدہ ہو گئی تھی کہ کہیں وہ اسے اوپر سے آتے دیکھ کر خفا نہ ہوں۔ ممی ہوتیں تو ضرور ڈانٹتیں لیکن وہ اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

وہ اپنے روم میں جانے کے بجائے چپ چاپ ان کے صوفے کے دائیں طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

انہوں نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کچھ چاہیے گڑیا! تمہاری ممی تو سو گئی ہیں۔" اس وقت ان کا لہجہ کچھ دیر پہلے کے حبیب الرحمٰن سے بالکل مختلف تھا۔ نرم اور شفیق۔

"وہ... وہ انکل... ہادی!" وہ ممی کے اصرار کے باوجود انہیں ڈیڈی کہنے کے بجائے انکل ہی کہتی تھی۔ جیسے ہادی ہمیشہ اس کی ممی کو مشاعل کی ممی کہتا تھا۔

ان کے چہرے کے نرم تاثرات میں یک دم سختی اتر آئی تھی۔ ہادی انہیں بہت مایوس کر رہا تھا۔ آئے دن اس کی شکایات سن سن کر وہ تھک چکے تھے۔

"وہ۔" اس نے ان کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور کچھ خوفزدہ سی ہو گئی۔ تیزی سے بولی۔ "اس کی انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔"

"کیا؟"

"ہاں!" وہ نگاہیں نیچے کیے بولتی چلی گئی۔ "اس کا ہاتھ بہت سوج گیا ہے۔ اسے بہت تکلیف ہے اور وہ بہت رو رہا ہے۔ اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ آپ پلیز اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔"

اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ انہوں نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو حیرت سے دیکھا اور جیسے خود سے کہا۔

"لیکن اس کی انگلیاں کیسے..."

"وہ ممی... ممی نے اس کے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ شاید غلطی سے... میں نے دیکھا تھا تب۔"

وہ ایک دم ٹی وی بند کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ان کا بیٹا تھا۔ بہت پیارا تھا وہ انہیں۔ اس کے حوالے سے کبھی انہوں نے کلثوم کے ساتھ مل کر بہت سے خواب دیکھے تھے۔ وہ اسے بہت اونچے مقام پر دیکھنا چاہتے تھے، لیکن وہ انہیں مسلسل مایوس کر رہا تھا، جیسا کہ زری انہیں بتاتی رہتی تھی اور اب انہوں نے خود دیکھا تھا، اتنی سی عمر میں وہ اتنا لیٹ گھر آ رہا تھا۔ غصے کے وہ ہمیشہ سے تیز تھے اور غصے میں پھر انہیں کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ وہ ہولے ہولے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ مشاعل وہاں ہی صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھ رہی تھی اور دعا کر رہی تھی کہ ممی کی آنکھ نہ کھلے۔

حبیب الرحمٰن سیڑھیاں چڑھ کر فرسٹ فلور کے لاؤنج میں پہنچے اور پھر اس کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ وہ بیڈ پر بیٹھا تھا، گھٹنوں پر سر رکھے اور اس کا پورا وجود اس کی سسکیوں سے ہل رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا۔ اس کا خیال تھا مشاعل اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے لیے دودھ لائی ہوگی لیکن حبیب الرحمٰن کو دیکھ کر اس کے لبوں سے بے ساختہ "نہیں" نکلا اور اس کے بہتے آنسو رک گئے تھے اور خوب صورت آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ آنکھیں جو بالکل ام کلثوم کی آنکھوں کی طرح تھیں۔ گھور سیاہ آنکھیں جن پر گھنی پلکوں کے جنگل تھے اور ان پر آنسو اٹکے ہوئے تھے۔

"ہادی!" وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھے۔ وہ غیر ارادی طور پر دونوں ہاتھ اٹھا کر پیچھے ہٹا اور بالکل بیڈ کراؤن سے چپک گیا۔ اس کا رنگ یک دم سفید پڑ گیا تھا، جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا اور اپنے ہاتھ یوں اوپر کیے ہوئے تھے جیسے ان کی متوقع مار سے بچنا چاہتا ہو۔

اس نے پورے جسم کی توانائی اکٹھی کر کے بولنا چاہا لیکن لفظ اندر ہی اندر چکرا کر رہ گئے۔ بے بسی سے جیسے اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ مشاعل کو اوپر اس کے کمرے میں آتے دیکھ کر اسے مارنے آئے ہیں۔ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ مشاعل خود اسے برگر دینے آئی تھی اور یہ کہ اس نے بالکل تھوڑا سا برگر کھایا ہے اور باقی کا برگر پڑا ہے۔ وہ چاہیں تو لے جائیں۔ لیکن وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

حبیب الرحمٰن اس کے بیڈ کے قریب آگئے۔ انہوں نے جھک کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ اس نے کبوتر کی طرح آنکھیں موند لیں۔ وہ اس کے بے طرح سوجے ہوئے اور چھلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہے تھے انہوں نے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"اُٹھو!" انہیں پہلی بار زری پر غصہ آیا اور وہ دل ہی دل میں اس سے بدگمان ہوئے۔

وہ سہم کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس کی پسلیوں میں درد ہونے لگا بلکہ اس کے پورے وجود سے درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ وہ تصور میں ان کی لاتیں اور مکے اور ٹھڈے اپنے وجود پر پڑتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا۔ اس کے نازک وجود میں مزید مار سہنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے معاف کر دیں، آئندہ وہ کبھی دیر سے گھر نہیں آئے گا۔ لیکن وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جوڑ دیے۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

حبیب الرحمٰن کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

ابھی کچھ دیر پہلے مشاعل نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ یہ بچے بھی... لیکن مشاعل کی نظروں میں درخواست تھی، التجا تھی لیکن اس کی نظریں... وہ آنسو بھری آنکھیں... ان میں خوف تھا۔ ڈر تھا۔ انہوں نے بے اختیار اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا، اور اس کے لبوں سے بمشکل نکلا۔ "مجھے مت ماریں۔"

حبیب الرحمٰن کا دل جیسے پگھل کر پانی ہوا۔

"ہادی بیٹا! تمہارا ہاتھ بہت سوج گیا ہے۔ ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔ فریکچر نہ ہو گیا ہو۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اسے لگ رہا تھا، جیسے حبیب الرحمٰن کے منہ سے اس نے صدیوں بعد یہ لفظ سنا ہو۔ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا اور مشینی انداز میں کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا، کمرے سے باہر آئے مشاعل نے جو ابھی تک لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھی اسے حبیب الرحمٰن کے ساتھ سیڑھیاں اترتے دیکھا تو مطمئن سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ حبیب الرحمٰن اس کے پاس آکر رکے تھے۔

"ہم ڈاکٹر کی طرف جا رہے ہیں شہر، واپسی پر شاید ہمیں دیر ہو جائے۔ تم کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"جی۔ اس کا ہاتھ تو ٹھیک ہو جائے گا نا۔"

"ان شاء اللہ!"

وہ اسے لے کر گیٹ سے باہر نکلے۔ مینو نے اندرونی دروازہ بند کیا۔ باہر والا گیٹ انہوں نے خود ہی باہر سے مقفل کر دیا تھا اور مینو کو سمجھا دیا تھا کہ اگر بیگم صاحبہ اٹھ جائیں تو انہیں بتا دینا میں شہر گیا ہوں۔ خود سے جگا کر بتانے کی ضرورت نہیں۔

مینو لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی تھی۔ اسے ان کی واپسی تک جاگنا تھا۔ یوں بھی ٹی وی کے لیے تو وہ پوری رات جاگ سکتی تھی۔ مشاعل اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسے نیند آ رہی تھی۔

شہر صرف پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔ انہوں نے اسپتال پہنچنے تک پھر اس سے بات نہیں کی تھی۔ بس دو تین بار اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بار بار دائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھتا تھا۔

ڈاکٹر نے ہی چیک کرنے اور ایکسرے کروانے کے بعد بتایا تھا، دو انگلیوں میں معمولی سی لکیر آگئی ہے۔ اس نے گرم پٹی باندھ دی تھی اور صبح آنے کے لیے کہا تھا، کہ ضروری ہوا تو صبح پلاسٹر چڑھا دیں گے۔ اس نے درد کی شدت کم کرنے کے لیے انجکشن بھی لگا دیا تھا۔

وہ جانتے تھے ایمرجنسی میں اس سے زیادہ ٹریٹ منٹ نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسے بہت بے دردی سے مارا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ بہت خاموش سا بیٹھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کے دل سے رنج کا کچھ بوجھ کم ہو جائے۔ وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ اس سے محبت کرتے ہیں اور انہیں خود افسوس ہے کہ انہوں نے اسے مارا۔ بڑی دیر بعد انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ مشاعل بتا رہی تھی تم میچ دیکھنے جاتے ہو۔"

اس نے سر ہلا دیا۔

"لیکن میچ کے بعد تم کہاں جاتے ہو؟"

وہ صرف ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ وہ کلاس میں سبق سنا لیتا تھا۔ تھوڑی بہت بات چیت ہم جماعت لڑکوں سے بھی کر لیتا تھا لیکن حبیب الرحمٰن کے سامنے جیسے اس کی زبان بند ہو جاتی تھی اور وہ اس پر بہت چڑتے تھے۔

"ہاں بیٹا! بتاؤ نا!" وہ بہت محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ بس ایسے ہی... گراؤنڈ میں بیٹھا رہتا ہوں۔ اچھا لگتا ہے مجھے... وہاں بیٹھ کر گراؤنڈ کو دیکھنا۔"

یہ ان کے لہجے کی نرمی اور شفقت تھی کہ بمشکل اس نے اٹک اٹک کر کہا تو انہیں یاد آیا۔ وہ کتنا بولتا تھا اور کتنے سوال کرتا رہتا تھا۔

"تمہارا بیٹا بہت باتونی ہے ام کلثوم! میرا دماغ کھا جاتا ہے۔"

وہ ام کلثوم سے کہتے تھے اور ام کلثوم مسکرا کر اسے چمٹا لیتی تھی۔

"یہ تو میرا طوطا ہے، میرا مٹھو۔ اس کے دم سے میرے گھر میں رونق ہے۔"

وہ اسے چوم لیتی۔

اور اب ہادی بولتا ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں کب اس نے بولنا چھوڑا تھا۔ انہیں اندازہ نہیں ہوا تھا۔ ام کلثوم کے بعد وہ کم گو ہو گیا تھا لیکن زری سے شادی کے بعد انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا اور اس نے بولنا بالکل چھوڑ دیا تھا اپنی کسی ضرورت کے لیے بھی اس نے ان سے کبھی نہیں کہا تھا۔ پہلے زری نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، پھر سنی نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ وہ ابھی صرف چند ماہ کا تھا اور بہت پیارا تھا۔ شاید ان کے ذہن میں تھا کہ وہ بڑا ہو گیا ہے اور اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے۔ لیکن ابھی وہ اتنا بڑا نہیں ہوا تھا۔ اور اسے ان کی توجہ کی ضرورت تھی۔ انہیں اس طرح اسے مارنے کے بجائے نرمی اور محبت سے بات کرنا چاہیے تھی۔

وہ کس قدر سہما ہوا لگ رہا تھا بلکہ ابھی بھی سہما ہوا تھا۔ میں اب اس کا خیال رکھوں گا۔ خود میچ دکھانے لے جاؤں گا۔ وہ اپنے کالج کے زمانے میں خود بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ اسکول اور کالج کی ٹیم کے ساتھ ہمیشہ کھیلنے جاتے رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اپنا احتساب کر رہے تھے۔ اگر ام کلثوم زندہ ہوتی تو اس وقت وہ ان کے ساتھ بیٹھا چہک رہا ہوتا لیکن اس وقت وہ ہاتھ گود میں دھرے خاموش بیٹھا تھا۔ اس وقت اسے ان کے پاس یوں فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا اور ایسا کتنے عرصے بعد ہوا تھا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اسے بھی ماما یاد آ رہی تھیں، جب وہ تھیں تو اکثر رات کو آئس کریم کھانے اور جوس پینے شہر آتے

تھے' کتنا مزا آتا تھا۔ کاش! ماما زندہ ہو جائیں۔ کاش سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔

سوچتے سوچتے اس نے سیٹ سے سر ٹکایا اور سو گیا۔ انجکشن میں غالباً" نیند کا بھی اثر تھا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے گاڑی سے اتر کر بیل دی اور گیٹ کھول کر گاڑی اندر لائے۔ مینو نے اندرونی گیٹ کھول دیا تھا۔

"مینو! باہر کا گیٹ لاک کر دو۔"

انہوں نے مینو سے کہہ کر اسے دو تین بار آواز دی' لیکن وہ گہری نیند میں تھا۔ انہوں نے اسے اٹھالیا۔ وہ بہت دبلا پتلا تھا اور اس کا وزن اپنی عمر کے حساب سے بہت کم تھا۔

"زری سے کہوں گا۔ اس کی خوراک کا خاص خیال رکھا کرے۔ وہ پہلے تو اتنا کمزور نہیں تھا۔" انہوں نے سوچا اور اسے اٹھائے ہوئے لاؤنج سے گزر کر سیڑھیاں چڑھنے لگے اور جب سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو دو آنکھیں بہت تنفر سے انہیں سیڑھیاں چڑھتے دیکھ رہی تھیں اور یہ دو آنکھیں زری کی تھیں' جو بیل کی آواز پر نیند سے بیدار ہو کر اپنے کمرے کے دروازے پر آکر کھڑی ہو گئی تھیں' اور حبیب الرحمٰن کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ مینو کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں' جو نیند کے بوجھ سے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ جھول رہی تھی۔

انہیں مینو سے تفصیل جاننا تھی' وہ باہر نکل کر لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئیں اور اوپر ہادی کے کمرے میں اسے بیڈ پر لٹانے کے بعد وہ کچھ دیر کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ اس کا سرخ و سفید رنگ کتنا کملا گیا تھا۔ سوتے میں بھی تکلیف کے آثار اس کے چہرے پر نظر آرہے تھے۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"سوری ہادی بیٹے!" ان کی آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔ اسے چادر اوڑھا کر آہستگی سے کمرے سے باہر آتے ہوئے انہوں نے دروازہ بند کیا۔ ابھی انہیں زری سے بھی پوچھنا تھا کہ کیا اسے ہادی کا ہاتھ نظر نہیں آیا تھا۔ یقیناً" اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہو گا' پھر بھی پوچھنا تو تھا نا' اور انہیں آج ہادی کے متعلق زری سے اور بھی بہت سی باتیں کرنا تھیں۔ وہ باتیں جو انہیں بہت پہلے کر لینا چاہیے تھیں' لیکن نہیں جانتے تھے کہ ان کی باتوں کا رد عمل الٹ ہو گا۔ وہ ہادی کا خیال رکھنے کے بجائے اس سے اور زیادہ نفرت کرنے لگیں۔

سیڑھیوں سے اترتے ہوئے انہوں نے ایک لمحہ کے لیے سوچا۔ آج رات وہ ہادی کے پاس اس کے کمرے میں ہی سو جائیں۔

وہ تکلیف میں ہے۔ کیا خبر رات کو زیادہ تکلیف ہو جائے۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا تھا صبح تک سوتا رہے گا۔ وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکے اور نیچے اترنے لگے۔ لاؤنج میں ایک طرف بستر بچھائے مینو سو رہی تھی۔ وہ اکثر لاؤنج میں ہی سو جاتی تھی یا پھر مشاعل کے کمرے میں کارپٹ پر بستر بچھا کر سو جاتی تھی۔ زری کمرے میں واپس جا چکی تھیں۔ وہ کمرے میں آئے تو وہ بیڈ پر منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

"کم از کم باہر جانے سے پہلے مجھے بتا کر جاتے۔"

"تم سو رہی تھیں' میں نے بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"اب ایسا بھی آپ نے کیا مار دیا تھا اسے کہ ہڈی ٹوٹ گئی۔ مکر کر رہا ہو گا۔ بڑا ڈرامہ باز ہے۔" وہ مینو سے ساری تفصیل معلوم کر چکی تھیں۔

"ہاں لیکن تم نے اس کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا تھا۔ فریکچر ہوا ہے۔"

"اوہ تو میں نے کوئی جان بوجھ کر تھوڑا ہی رکھا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ ہاتھ زمین پر ٹکائے بیٹھا ہے۔ میں تو اپنے دھیان میں آگے بڑھی تھی۔" جواب ان کے حسب توقع تھا۔

"میں ہادی سے بہت محبت کرتا ہوں۔" انہوں نے وارڈ روب سے نائٹ ڈریس نکالتے ہوئے بتایا۔

"اور چاہتا ہوں کہ تم بھی اس سے محبت کرو۔ بے شک اتنی محبت نہ کرو جتنی سنی اور مشاعل سے کرتی ہو' لیکن اتنی محبت ضرور کرو کہ اسے ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔ زری!" وہ اس کی طرف پلٹے۔ "زری! ام کلثوم اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اکلوتا تھا نا اس کے بعد وہ بہت خاموش بہت تنہا ہو گیا ہے۔ تم پلیز اسے اپنی مشاعل کی طرح سمجھو۔"

ان کے لہجے میں التجا کا رنگ تھا۔

"مجھے یہ سب کچھ تم سے پہلے کہنا چاہیے تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ جس طرح میں مشاعل کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں' تم بھی اسے اپنے بیٹے کی طرح سمجھو گی۔ میں نے اس یقین کے ساتھ تم سے شادی کی تھی کہ تم اس کا بہت خیال رکھو گی۔"

"تو کیا میں اس کا خیال نہیں رکھتی؟" وہ چمک کر بولی تھیں۔ "میں اس کا مشاعل سے بڑھ کر خیال رکھتی ہوں حبیب! اگر میں نے اسے جنم دیا ہوتا تب بھی اگر وہ یوں ہر روز لیٹ آتا تو کیا مجھے تشویش نہ ہوتی۔ کیا میں اسے نہ روکتی اور آپ سے ذکر نہ کرتی۔ پہلے میں نے اسے خود سمجھایا تھا' لیکن اس نے میری بات کی پروا نہیں کی تو۔"

زری کی آواز میں رقت پیدا ہو گئی تو وہ قائل سے ہو گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے... تم نے ٹھیک کیا زری! بس مجھے ہی غصہ آگیا تھا لیکن وہ مشاعل کہہ رہی تھی کہ وہ صرف میچ دیکھنے جاتا ہے اور پھر وہیں گراؤنڈ میں بیٹھا رہتا ہے۔ دراصل اسے بچپن سے ہی کھیل سے عشق ہے۔ اس کا ماموں قومی ہاکی ٹیم کے لیے سلیکٹ ہو گیا تھا اور فٹ بال کا تو اسے جنون تھا۔"

وہ کپڑے اٹھا کر وہاں پڑی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ بہت ساری یادوں نے ایک دم یلغار کر دی تھی۔

ام کلثوم اور عبدالہادی دونوں بہن بھائی تھے اور دونوں میں بے حد پیار تھا۔ عبدالہادی قومی ٹیم کے لیے سلیکٹ ہو کر کیمپ میں چلا گیا تھا ٹریننگ کے لیے' وہاں جانے کے صرف دو ہفتے بعد اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ بچ نہ سکا تھا۔ ام کلثوم بھائی کے نام پر اس کا نام رکھنا چاہتی تھی لیکن ان کی والدہ جو تب زندہ تھیں۔ وہ اپنے کم عمری میں مر جانے والے بھائی کے نام پر اس کا نام رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ والدہ کی بات ٹال نہیں سکے تھے۔ لیکن ام کلثوم اسے ہادی ہی بلاتی تھی بلکہ ام کلثوم کیا' وہ خود بھی ہادی ہی بلاتے تھے۔ والدہ ہادی کی پیدائش کے چند ماہ بعد ہی وفات پا گئی تھیں' سو ہادی بلانے پر اعتراض کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اور وہ شکل و صورت میں ہی نہیں' مزاج میں بھی اپنے ماموں کی طرح تھا۔ جب وہ چھ سال کا تھا اور ایک دن کلثوم لان میں اس کے ساتھ کھیل رہی تھی تو اس نے بلند آواز میں اسے بتایا تھا۔

"حبیب! دیکھیں' میرا بیٹا بالکل اپنے ماموں کی طرح ہے۔"

اور انہوں نے دیکھا تھا وہ چھ سالہ بچہ گیند کو ہاکی کے ساتھ لیے لیے دوڑ رہا تھا' پھر اس نے زبردست ہٹ لگائی تھی۔ ام کلثوم تالیاں بجا رہی تھی۔

"حبیب! حبیب! میرا بیٹا پیدائشی کھلاڑی ہے۔"

"آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا حبیب! کہ وہ گراؤنڈ میں بیٹھا رہتا ہے۔ آخر آٹھ بجے تک وہ وہاں بیٹھ کر کیا کرتا ہے۔ خدانخواستہ...."

وہ لہجے میں تشویش لیے کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اللہ نہ کرے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں صبح جاؤں گا خود اور کلب کی انتظامیہ سے پوچھوں گا۔"

وہ کپڑے اٹھا کر واش روم میں چلے گئے۔ جب وہ تبدیل کر کے آئے تو زری سنی کو تھپک رہی تھیں۔

"میں ہادی کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ رات میں کسی وقت خدانخواستہ اس کی طبیعت خراب ہو جائے۔ تم سو جانا۔ میں ادھر ہی سو جاؤں گا۔"

زری نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں غصہ حیرت اور تنفر تھا لیکن وہ زری کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے باہر نکل گئے۔

ہادی گہری نیند میں تھا۔ وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر لیٹ کر ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔ ہادی کو شاید نیند میں کچھ احساس ہوا تھا' کہ اس نے لمحہ بھر کے لیے آنکھیں کھول کر انہیں

دیکھا۔

"بابا۔۔۔!" اور اپنا بازو ان کے گرد حمائل کیا۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ اس نے اپنا گھٹنا موڑ کر ان کے پیٹ پر رکھا۔ تین سال پہلے ام کلثوم کے بعد وہ یونہی ان سے لپٹ کر سوتا تھا اور پھر زری ان کی زندگی میں آگئیں۔

زری ان کے آفس میں جاب کرتی تھیں۔ کلثوم کی وفات کے بعد جب وہ بہت اپ سیٹ تھے تو زری نے انہیں بہت سہارا دیا تھا۔ معمولی سی سلام و دعا گہری دوستی میں بدل گئی تھی۔ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کلثوم کے بعد کسی اور کو اپنی زندگی میں لے آئیں گے۔ لیکن کلثوم کی وفات کے صرف ایک سال بعد وہ زری سے شادی کر کے انہیں گھر لے آئے تھے کہ گھر بہت ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ انہوں نے شادی کر لی تھی یہ غلط نہ تھا لیکن انہوں نے ہادی کو نظرانداز کر دیا تھا یہ غلط تھا۔ زری طلاق یافتہ اور ایک بچی کی ماں تھیں ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی بچی کو تحفظ اور محبت دیں گے تو وہ بدلے میں ہادی کو ماں کا پیار دے گی۔

اور وہ ہادی کے پاس لیٹے اس کے اوپر ہاتھ رکھے دل ہی دل میں عہد کر رہے تھے کہ وہ اب بھی ہادی کی طرف سے غافل نہیں ہوں گے۔ لیکن نہیں جانتے تھے کہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ زری انہیں اپنے عہد پر قائم نہیں رہنے دیں گی۔

☼ ☼ ☼

اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے کن اکھیوں سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی جوزی کی طرف دیکھا۔ وہ اس لڑکی کو آج سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ ہاں جب سے وہ اس نئے گھر میں شفٹ ہوئے تھے تو اس نے اسے اپنے گھر کی کھڑکی سے جھانکتے دیکھا تھا۔ اس کا گھر بالکل اس کے گھر کے سامنے تھا۔ درمیان میں بس ایک سڑک تھی اور آج پہلی بار خوش جمال کے اصرار پر وہ اس کے ساتھ گھر سے باہر نکلا تھا اور اس روتی ہوئی لڑکی سے بات کی تھی۔ خوش جمال تو ایسی ہی تھی۔ ہمدرد، رحم دل، ہر ایک کے لیے اس کے دل میں بے حد گنجائش تھی۔ کسی اجنبی کی بھی معمولی سی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھتی تھی اور اسے دور کرنے کی کوشش کرتی تھی اور آج سہ پہر بھی وہ آرام سے گھر بیٹھا فرانس میں ہونے والے فٹ بال کے عظیم میلے کی سی ڈی دیکھ رہا تھا جب خوش جمال نے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"مصطفیٰ! وہ اس سامنے والے گھر۔۔۔ وہی جس کے لان میں موجود کرسمس ٹری بہت خوب صورتی سے سجا ہوا ہے۔ اس گھر میں رہنے والی لڑکی اپنے گھر کے باہر کھڑی رو رہی ہے۔"

"تو؟" مصطفیٰ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے اور ہم اس کی مدد کر سکتے ہیں۔"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ کوئی پاکستانی یا ہندوستانی لڑکی ہے۔ اس کا کمپلیکشن بتاتا ہے کہ وہ۔۔۔ اور پھر ایک دن میں نے گھر میں اسے دوپٹا لیے گھومتے دیکھا۔ ہمارے پاکستانی اور ہندوستانی والدین بعض اوقات یہ دیکھ کر کہ لڑکا باہر ہے اپنی لڑکیاں بیاہ دیتے ہیں۔ لڑکا چاہے یہاں جھاڑو دیتا ہو اور ہر طرح کی برائیوں میں ملوث ہو، بے چاری لڑکیاں یہاں آکر مصیبت میں پھنس جاتی ہیں۔ مس یوز ہوتی رہتی ہیں تو ممکن ہے یہ لڑکی۔"

"اوہ مائی گاڈ خوش جمال۔" وہ کمپیوٹر بند کر کے اس کی طرف مڑا۔ "تم افسانہ نگار کیوں نہیں بن جاتی ہو۔ خود ہی کہانیاں تخلیق کر لیتی ہو۔ اب کیا خبر اس لڑکی کے سر میں درد ہو یا پھر اس کا بوائے فرینڈ ناراض ہو گیا ہو۔۔۔ اور پھر وہ اتنی چھوٹی بچی بھی نہیں ہے کہ اگر گھر سے باہر نکل آئی ہے تو چند قدم چل کر کسی فون بوتھ سے پولیس کو فون کر کے اپنی مدد کے لیے بلا سکتی ہے۔"

"کہانیاں ہوتی ہیں تو تخلیق ہوتی ہیں۔ اب چاہے کچھ بھی ہو پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔ دیکھو! وہ ابھی تک رو رہی ہے۔"

اس نے تھوڑا سا آگے جھک کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا اور پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں تو اپنے کھیل کے سوا کسی چیز کا پتا نہیں کہ اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ یہاں دنیا میں کتنے پرابلمز اور مسائل ہیں۔"

"یہ دنیا بہت خوب صورت ہے خوش جمال! کیونکہ اس میں تم ہو۔ بابا ہیں اور امی۔"

خوش جمال مسکرائی۔ "ٹھیک ہے لیکن اس خوب صورت دنیا کے چہرے پر اگر کوئی آنسو نظر آئے تو ہمیں اسے پونچھنا چاہیے نا۔"

خوش جمال جب کوئی ارادہ کر لیتی تھی تو اسے روکنا مشکل ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا، سو وہ "افوہ!" کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "چلو۔"

آج سہ پہر وہ لڑکی ان کی بات کا جواب دیے بغیر چلی گئی تھی، لیکن اس وقت اس نے بغیر کسی جھجک کے اس سے لفٹ مانگ لی تھی۔ وہ تو اس کا نام تک نہیں جانتا تھا۔

ڈیوڈ نے اسے جوزی کہہ کر مخاطب کیا تھا جو یقیناً اس کا نک نیم ہو گا۔ ایک بار تو اس نے سوچا انکار کر دے۔ پتا نہیں وہ کس مزاج کی لڑکی ہے اور پھر اس وقت جب وہ مانچسٹر یونائیٹڈ کے لیے ٹرائل دینے جا رہا تھا۔ وہ کسی اسکینڈل کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ بابا نے اسے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی، بلکہ وہ تو بلاوجہ اسے گھر سے بھی نکلنے نہیں دیتے تھے۔ لیکن وہ ڈیوڈ کو منع نہیں کر سکا تھا کیونکہ ڈیوڈ پہلے ہی ایلین کو بتا چکا تھا کہ وہ غلام مصطفیٰ کے ساتھ آئے گا۔ اور ایلین نے بطور خاص فون کر کے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ لیکن جب اس نے اس کی طرف دیکھا تو اسے لگا جیسے اس کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں۔ اسے خوش جمال کا خیال آگیا تھا۔ وہ ہوتی تو ضرور اسے ساتھ لے چلنے پر اصرار کرتی۔

اس نے پھر کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ نروس سی ہاتھ مسل رہی تھی۔ وہاں ایلین کے ہاں بھی وہ بہت گھبرائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ جیسے وہ اس ماحول میں ان فٹ ہو۔ نروس سی بار بار انگلیاں مسلتی تھی۔ ہو سکتا ہے خوش جمال کا خیال درست ہو اور یہ لڑکی کسی مشکل میں ہو۔ وہ ایلین کو نہیں جانتا تھا۔ ڈیوڈ اس کا دوست تھا۔ ڈیوڈ سے اس کی دوستی پچھلے چھ سال سے تھی۔ وہ ڈیوڈ کے کسی فرینڈ کو بھی نہیں جانتا تھا۔ اس لیے ایک طرف الگ گوشے میں بیٹھ گیا تھا کیونکہ ڈیوڈ کو اپنی ایک گرل فرینڈ مل گئی تھی۔

"تم اس وقت رو کیوں رہی تھیں؟"

غلام مصطفیٰ نے اچانک ہی ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس وقت۔" اسے یاد آیا کہ کچھ دیر پہلے وہ اسے اپنے گھر کے باہر روتے دیکھ چکا تھا۔ "وہ دراصل اندر میرے ممی اور ڈیڈی میں لڑائی ہو رہی تھی۔"

"تو تم اس لیے رو رہی تھیں؟"

اس نے حیرت سے اسے دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ اتنی چھوٹی تو ہرگز نہ تھی کہ ممی ڈیڈی کی لڑائی پر روتی۔ وہ سولہ سال سے تو زیادہ عمر کی ہی ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ غلط ہو بعض بچے ہوتے ہیں جو اپنی عمر سے بڑے لگتے ہیں۔ اس نے یوٹرن لیتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"ممی، ڈیڈی میں کبھی کبھار لڑائی ہو جاتی ہے اور جب کبھی تم ممی کے رتبے پر فائز ہو گی تو ہو سکتا ہے۔ تم بھی اپنی ممی کی طرح۔"

اس کا رنگ سرخ ہوا اور اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ کچھ دیر وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ بے حد محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر جیسے اس نے بمشکل سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر فوراً ہی اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ لیکن جب وہ بولی تو اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں اپنی ممی کی طرح نہیں ہوں اور میرے ممی ڈیڈی میں کبھی کبھار نہیں بلکہ اکثر لڑائی

ہوتی ہے اور مجھے اس لیے رونا آتا ہے کہ یہ لڑائی اکثر میری وجہ سے ہوتی ہے۔"

"تمہاری وجہ سے؟" مصطفیٰ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

اس نے اثبات میں سرہلایا اور آنکھوں میں آئی نمی کو پلکیں جھپک کر چھپایا۔

"کیوں تمہاری وجہ سے کیوں؟"

"وہ۔" آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ "وہ.... ممی کو اچھا نہیں لگتا کہ ڈیڈی میری حمایت کریں۔ دراصل...." وہ ہچکچائی۔

"ممی میری اسٹیپ مدر ہیں نا تو زیادہ تر لڑائی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ڈیڈی میری سائیڈ لیتے ہیں اور ممی چاہتی ہیں کہ میں وہ کروں جو وہ کہتی ہیں۔ چاہے میرا اسے کرنے کو دل نہ چاہے تب بھی۔"

اور مصطفیٰ کے دل کو کچھ ہوا۔ اندر کہیں گہرائی میں کسی دبے ہوئے درد نے چٹکی بھری۔

"ویسے۔" اس نے جلدی سے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

"میری ممی سنڈریلا کی ممی کی طرح نہیں ہیں۔ وہ اچھی ہیں، لیکن بس کچھ باتیں ایسی ہیں جو مجھے اچھی نہیں لگتیں لیکن انہیں پسند ہیں۔"

اسے لگا جیسے ممی کے متعلق اس طرح کی بات کرنا مناسب نہیں تھا اور اس سے کچھ غلط ہو گیا ہے۔

وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کا پاؤں ایکسیلیٹر پر تھا، ہاتھ اسٹیرنگ پر اور وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے ایک نرم سا شفیق سا محبت بھرا تاثر تھا اور وہ خوش جمال کی طرح اس کے لیے اپنے دل میں بہت گداز، بہت ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔

"کیا تمہارے ممی ڈیڈی میں بھی لڑائی ہوتی ہے۔"

وہ اس کے اس طرح دیکھنے سے پھر نروس ہو گئی تھی۔

"نہیں۔" اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور سامنے دیکھنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے امی اور بابا کے چہرے آگئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا بے حد خیال رکھتے تھے اور احترام کرتے تھے۔ اس نے انہیں کبھی لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"تم کتنے لکی ہو۔" اس نے رشک سے اس کی طرف دیکھا۔

مصطفیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بیتے ہوئے چند سالوں میں بہت سارے لوگوں نے اسے لکی کہا تھا۔ کیا وہ واقعی لکی تھا۔ اس نے رات کی تنہائیوں میں اکثر خود سے پوچھا تھا اور اگر لکی تھا تو کتنا.... کیا اتنا ہی جتنا لوگ سمجھتے تھے؟

"تم بہت اچھا کھیلتے ہو۔" جوزی کو یاد آیا کہ اس نے ابھی تک اس کے کھیل کی تعریف نہیں کی۔

"میں نے تمہارا وہ میچ دیکھا تھا جو تم نے بروکس مارتھ کلب کے خلاف کھیلا تھا لیکن جب ہفتہ بھر پہلے تم ہمارے گھر کے سامنے آکر رہے تو میں نے بالکل نہیں پہچانا کہ تم غلام مصطفیٰ ہو، ایلما کلب کا فخر۔ لیکن تمہاری آنکھیں مجھے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔ میرا مطلب ہے تمہاری آنکھیں مجھے بہت جانی پہچانی لگی تھیں۔ لیکن مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ تمہیں کہاں دیکھا ہے۔ ڈیوڈ نے جب تمہارا تعارف کروایا تو میری الجھن دور ہوئی۔ نہیں تو اور پتا نہیں کتنے دن سوچتی رہتی کہ یہ آنکھیں میں نے کہاں دیکھی تھیں۔"

"چلو اب تمہیں مزید سوچنا نہیں پڑے گا۔" وہ مسکرایا تو اس کے لبوں پر بھی ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تم پاکستانی ہو یا انڈین؟" وہ شاید اس کے متعلق سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

"پاکستانی۔"

"اوہ اچھا!" اسے لگا جیسے وہ اس کے پاکستانی ہونے کا سن کر خوش ہوئی ہو۔

"تم پاکستان میں کہاں رہتے تھے۔"

"لاہور....!" اس کا جواب مختصر تھا۔ وہ یک دم سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"لاہور۔" وہ ایک دم پُرجوش ہوئی تھی۔ "میں نے لاہور کے متعلق بہت سنا ہے اور مجھے لاہور دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ میرے ڈیڈی ہمیشہ لاہور کی تعریف کرتے تھے اور انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک بار مجھے ضرور لاہور لے کر جائیں گے۔ دراصل انہوں نے بی ایس سی لاہور سے ہی کی تھی اور کچھ عرصہ وہاں سینٹ انتھونی میں پڑھایا تھا۔"

اس نے بھی کچھ عرصہ سینٹ انتھونی میں پڑھا تھا۔

وہ چونک کر پھر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے فوراً نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں اور ونڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

"تمہارے ڈیڈی کا کیا نام ہے۔ خوشی بھی سینٹ انتھونی میں پڑھتی تھی۔"

"آ.... نذیر۔" وہ پال کہتے کہتے رک گئی۔ "لیکن ڈیڈی نے صرف چند ماہ ہی پڑھایا تھا۔"

"کون سے سن میں۔"

"پتا نہیں۔" اس نے نفی میں سرہلایا۔ مارتھا کا حکم تھا کہ یہاں کسی کو نذیر شذیر بتانے کی ضرورت نہیں ہے.... اس کے ڈیڈی کا پورا نام نذیر پال تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کی فیملی یا کمیونٹی میں سب کے نام ایسے تھے۔ بلکہ زیادہ تر نام تو ایسے ہی تھے جو عام مسلم معاشرے میں رکھے جاتے تھے۔ جیسے اس کے ایک چاچو کا نام عمر خیام تھا اور ایک پھپھو کا نام حمیرا نورین تھا۔ وہاں پاکستان میں سب اس کے ڈیڈی کو نذیر کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ ان کے سارے اسٹوڈنٹ انہیں سر نذیر ہی کہتے تھے لیکن یہاں آکر مارتھا نے انہیں پال کہنا شروع کر دیا تھا۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ میرا مطلب ہے کس شہر سے۔" اس نے پوچھا۔

"کراچی سے.... یہاں آنے سے پہلے ہم کراچی میں تھے اور میرے ایک انکل یہاں ہوتے ہیں۔ وہ بہت سالوں سے کوشش کر رہے تھے ہمیں بلانے کی۔ لیکن ہم دو سال پہلے یہاں آئے ہیں اور تم کب آئے۔"

"تقریباً" آٹھ سال ہو گئے ہیں۔"

خوش جمال کو بتانے کے لیے اس کے پاس کافی مواد اکٹھا ہو گیا تھا۔ اور خوش جمال یقیناً" حیران ہو گی کہ اس لڑکی کے متعلق میں نے اتنا کچھ کیسے جانا اور میں بھی اس کو ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ میں نے اسے گھر تک لفٹ دی ہے۔

وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا اور اب گاڑی مین روڈ سے اتر کر ان کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔

اس نے اس کے گھر کے سامنے بریک لگائے۔

"تم میرڈ ہو۔"

بہت دیر سے جو سوال اس کے ذہن میں چکرا رہا تھا، گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ اسے لگا تھا اگر وہ یہ سوال نہ پوچھتی تو شاید اسے رات بھر نیند نہ آتی۔

"نو۔" اس نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ ابھی وہ صرف بیس سال کا تھا۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکی خوش جمال اس کی بیوی نہیں بلکہ بہن ہے۔ اس کے اندر جیسے دور تک اطمینان پھیل گیا۔ پتا نہیں کیوں۔

گاڑی کا دروازہ بند کرتے کرتے اسے یاد آیا کہ اس نے اس کا شکریہ تو ادا ہی نہیں کیا۔

"سنو سنو!" اس نے شیشے پر ہاتھ مارا تو مصطفیٰ نے گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"سوری! مجھے تھینک یو کہنا یاد نہیں رہا تھا۔ تھینک یو۔"

"ویلکم!" وہ بے اختیار مسکرایا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی سیدھی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کی خم دار پلکوں والی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور سانولے رنگ میں بلا کی کشش تھی۔ اس کے نقوش تیکھے تھے اور قد لمبا تھا.... اور ہونٹ۔

اس نے بڑی تفصیل سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک پرکشش لڑکی تھی۔ اس کی پلکیں لرزیں، رخساروں پر سرخی نمودار ہوئی اور جھک گئیں۔

"او کے بائے اینڈ اگین تھینکس۔"

وہ تیزی سے اپنے گھر کے دروازے کی طرف مڑ گئی، اور ہینڈ بیگ سے چابی نکالی۔ تینوں کے پاس گھر کی چابیاں ہوتی تھیں۔

مصطفیٰ کے پاس خوش جمال کو بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔ اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔ اسے اب یو ٹرن سے گاڑی واپس اپنے گھر کی طرف لانی تھی۔ اس نے مڑ کر اس کی گاڑی کو جاتے دیکھا اور لہراتی ہوئی سی گھر میں داخل ہوئی۔ اتنی خوش وہ ان دو سالوں میں کبھی بھی نہ ہوئی تھی..... لیکن خود وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ آج عام دنوں سے زیادہ خوش ہے۔ اس نے لاؤنج میں آکر کھڑکی کا پردہ ہٹایا اس کی گاڑی اپنے گھر کے باہر کھڑی تھی۔

یہ سیاہ گھور سیاہ آنکھوں والا لڑکا فٹ بال کا ابھرتا ہوا کھلاڑی غلام مصطفیٰ تھا۔

وہ پال کے واپس آنے پر اسے بتانے والی تھی، لیکن نہیں جانتی تھی کہ پال کے آنے پر کتنا بڑا ہنگامہ ہونے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آج پھر گراؤنڈ کے باہر بیٹھا تھا۔ میچ ختم ہوا تو انہوں نے اسے دیکھا لوگ جا چکے تھے اور خالی گراؤنڈ میں وہ تنہا بیٹھا تھا۔ کلب کے اندر جاتے جاتے وہ واپس مڑے تھے۔ آج وہ چار دنوں بعد آیا تھا اور وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے۔ وہ اتنے دنوں سے کیوں نہیں آیا۔

غیر ارادی طور پر انہوں نے اس کا انتظار کیا تھا اور اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے گراؤنڈ کی طرف دیکھتے ہر بار انہوں نے سوچا تھا کہ اگر آج وہ لڑکا وہاں بیٹھا نظر آیا تو وہ ضرور اس سے بات کریں گے۔ ضرور اس لڑکے کو فٹ بال سے محبت ہے۔ انہیں اپنا بچپن یاد آیا تھا، جب وہ بھی یونہی آخری شخص کے جانے تک گراؤنڈ میں بیٹھے رہتے تھے لیکن چار دن سے وہ نظر نہیں آیا تھا اور آج وہ پھر بیٹھا ہوا خالی گراؤنڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"محی الدین صاحب پلیز ایک منٹ!"

کلب کے اندر سے باہر آتے ہوئے لیاقت میموریل فٹ بال ٹیم کے کوچ نے انہیں بلایا تو وہ اس کے ساتھ اندر چلے گئے۔ دو دن بعد ایگل میموریل اور لیاقت میموریل کے درمیان فائنل تھا اور وہ اس بات سے بے خبر کہ کسی نے اسے دیکھا تھا اور کوئی اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ گراؤنڈ کے کنارے پر بیٹھا گراؤنڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سورج کا سرخ گولا درختوں کے پیچھے گم ہو گیا تھا اور گراؤنڈ میں تاریکی چھا چکی تھی۔ لیکن وہ گراؤنڈ میں رونق دیکھ رہا تھا۔ اور وہ خود بال کو لے کر گول پوسٹ کی طرف بڑھ رہا تھا پھر ایک زوردار کک اور بال گول میں..... دور کہیں کتا بھونکا تو وہ چونکا۔ گراؤنڈ خالی تھا اور وہ ہاتھ گود میں دھرے خالی خالی نظروں سے گراؤنڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عین اسی لمحے محی الدین صاحب کلب کی عمارت سے باہر نکلے۔ گیٹ پر جلنے والے بلب کی مدھم روشنی میں انہیں اس کا ہیولا نظر آیا۔ تو وہ ابھی تک وہاں بیٹھا ہے۔

وہ تیز تیز چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ آہٹ پر خوفزدہ ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"تم آج بہت دنوں بعد آئے ہو؟" آواز میں بہت نرمی اور شفقت تھی۔

اس نے جواب نہیں دیا اور کھڑا ہو گیا۔

"میں وہاں اپنے کمرے کی کھڑکی سے تمہیں بہت دیر یہاں بیٹھے دیکھتا تھا۔ پھر جب تم اتنے دنوں سے نہیں آئے تو میں نے سوچا شاید تم بیمار ہو۔ کیا تم بیمار تھے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

تب ہی ان کی نظر اس کے پلاسٹر چڑھے ہاتھ پر پڑی۔

"اوہ شاید تم گر گئے تھے۔ چوٹ لگی ہے ہاتھ پر۔"

اس نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا تمہیں فٹ بال کھیلنا پسند ہے؟"

"ہاں!" اس نے اس بار جواب دیا۔ "لیکن شاید

میں کبھی نہیں کھیل سکتا۔"

اس کے لہجے سے مایوسی جھلکتی تھی اور ایک گہرا درد جیسے اس کے دل کو چھیلتا تھا۔

"کیوں..... کیوں نہیں کھیل سکتے؟" انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"اگر تمہیں شوق ہے اور سچی لگن ہے تو پھر کوئی چیز تمہیں کھیلنے سے نہیں روک سکتی۔"

"لیکن میں کبھی نہیں کھیل سکتا۔" وہ بے حد افسردہ نظر آنے لگا تھا۔

"میرے ہاتھ کمزور ہیں۔ میری انگلیاں کسی بھی چیز پر زیادہ دیر گرپ نہیں رکھ سکتیں۔ میری ماما کہتی تھیں، مجھے ہاکی کا کھلاڑی بننا ہے، لیکن میں ہاکی کو زیادہ دیر ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ نہیں سکتا۔ میں کتنی بھی کوشش کروں۔ تب میں نے سوچا۔ مجھے فٹ بال کھیلنا چاہیے اور مجھے فٹ بال کھیلنا اچھا لگنے لگا۔ میں ٹی وی پر فٹ بال کے میچز جہاں کہیں لگے ہوتے ہیں، دیکھتا ہوں۔"

وہ قدرے اندھیرے میں کھڑے تھے اور وہ پہلی بار بلا اٹکے، ایک اجنبی شخص سے اپنی ذات کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔

"تم فٹ بال کھیلو گے؟" محی الدین نے نرمی سے پوچھا۔

لیکن وہ متذبذب سا ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اسکول میں فٹ بال کھیلتا ہوں۔ میرے پی ٹی سر کہتے ہیں۔ میری کک اچھی ہے۔ اگر مجھے اچھا کوچ مل جائے تو۔"

"تو سمجھو تمہیں اچھا کوچ مل گیا۔"

انہوں نے وہاں کھڑے کھڑے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یہاں سے جانے سے پہلے اس بچے کو نور علی کے حوالے کر جائیں گے، جو بہت اچھا فٹ بال کا کھلاڑی رہا تھا اور آج کل ایگل میموریل کلب میں فٹ بال کا کوچ تھا۔

"تم کل اپنے ابو کے ساتھ آنا۔"

وہ خاموش رہا۔

"ہاں تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"ہادی.....!"

اور انہیں عبدالہادی یاد آ گیا تھا۔ ان کا گہرا دوست، حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا وہ۔ "تمہارا ہم نام میرا دوست ہاکی اور فٹ بال دونوں میں یکساں مہارت تھی اسے۔ لیکن یہاں فٹ بال کا اسکوپ نہیں ہے، اس لیے وہ ہاکی کھیلنے لگا تھا لیکن فٹ بال سے اس کی محبت کم نہیں ہوئی تھی۔"

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے روشنی میں آ گئے تھے۔ بلب کی روشنی اب اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کی سیاہ خم دار پلکوں والی آنکھوں میں بلا کا سحر تھا۔ بالکل عبدالہادی کی آنکھوں کی طرح، لیکن اس کی آنکھوں میں اداسی اور خوف تھا جبکہ عبدالہادی کی سیاہ آنکھوں سے شوخیاں جھانکتی تھیں۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس کی سیاہ آنکھوں کا سہم بڑھ گیا تھا۔ "میں اب جاؤں۔"

"ہاں اللہ کے حوالے، لیکن اپنے ابو کو لے کر ضرور آنا میں ابھی چند دن یہاں ہوں۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ تم بڑے پلیئر بن سکتے ہو۔"

وہ سر ہلا کر تیزی سے سفیدے کے درختوں کی طرف بڑھا جن کے پیچھے اس کا گھر تھا۔ اس کے پاپا آج کراچی گئے ہوئے تھے اور اس نے مشاعل اور مینو کو بتایا تھا کہ وہ میچ دیکھنے جا رہا ہے اور آج جلدی آجائے گا لیکن دیر ہو گئی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا لیکن کچن کا دروازہ کھلا تھا اور مینو روٹیاں پکا رہی تھی۔

اس نے جھانک کر دیکھا۔ لاؤنج خالی تھا۔ وہ تیزی سے لاؤنج میں آیا اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں آ گیا اور آنکھیں موند کر اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ بند آنکھوں میں ایک خواب اتر آیا تھا۔ ایک روز وہ بڑا فٹ بالر بنے گا۔

اور اب اسے حبیب الرحمٰن کا انتظار تھا۔ وہ آجائیں تو وہ انہیں لے کر کلب جائے گا۔ وہ پاپا کو بتائے گا کہ ان صاحب نے اس سے کہا ہے کہ وہ اچھا کھلاڑی بن سکتا ہے اور پاپا ضرور اس کی بات سنیں گے،

اور سمجھیں گے۔ آج کل وہ اس کو وقت دے رہے تھے۔ ان تین دنوں میں ایک بار بھی انہوں نے اسے ڈانٹا نہیں تھا۔ آج بھی کراچی جانے سے پہلے انہوں نے اسے پیار کیا تھا۔

ٹھیک ہے میرے ہاتھ کمزور ہیں۔ ان میں گرپ نہیں ہے لیکن محی الدین صاحب نے کہا تھا کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے سوچا وہ مشاعل کو محی الدین صاحب کے متعلق بتائے لیکن پھر یہ سوچ کر مشاعل سے ذکر نہیں کیا کہ نہیں وہ ممی کو نہ بتادے اور ممی پہلے ہی پاپا کو منع کر دیں۔ اسے پہلے کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہیے بس پاپا کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا کہ پاپا میچز ختم ہونے سے پہلے ہی آجائیں۔

آنے والے لمحوں سے بے خبر وہ دعا مانگ رہا تھا۔ لیکن تقدیر کی کتاب میں کچھ اور ہی رقم تھا۔ کچھ ایسا جس نے اس کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

یہ تین دن بعد کی بات تھی۔ مسلسل بارش کی وجہ سے میچ نہیں ہو رہا تھا اور وہ گھر پر ہی تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا' جب مینو نے لاؤنج میں آکر اسے آواز دی تھی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

مینو اسے کھانے کے لیے بلا رہی تھی وہ اٹھا اور کمرے سے باہر آگیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے دیکھا کہ سیڑھیوں کے پاس سنی کی کیری کاٹ پڑی تھی اور سنی آوازیں نکال رہا تھا۔ اسے سنی بہت پیارا لگتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا' لیکن اسے مشاعل کی ممی سے ڈر لگتا تھا' اس نے سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے سنی کی طرف دیکھا۔ یک دم ہی لاؤنج میں رکھے فون کی بیل ہوئی۔

"ضرور پاپا کا ہو گا!" اس نے سوچا۔

اسے پاپا سے بات کرنا تھی۔ اسے پاپا کو بتانا تھا کہ وہ کھیل سکتا ہے۔

وہ تیزی سے ایک ایک دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے اُترنے لگا۔ کیری کاٹ کو اس کے پاؤں کی ٹھوکر لگی۔ سنی نے رونا شروع کر دیا تھا۔ مشاعل کی ممی یک دم ہی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھیں اور باہر نکلتے ہی انہوں نے اسے تھپڑ مارا۔

"اندھے ہو۔ بچے کو گرا دیا۔"

وہ گرا نہیں۔ وہ تو کاٹ میں ہے۔ اور میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ خود ہی رو رہا ہے۔"

سنی دونوں ہاتھ اونچے کیے ماما... ماما کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ماما اسے اٹھالیں۔ مینو نے فون اٹھالیا تھا۔ وہ رخسار پر ہاتھ رکھے کبھی مشاعل کی ممی کو اور کبھی مینو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جی... جی صاحب!" مینو ماؤتھ پیس میں کہتے ہوئے مشاعل کی ممی کی طرف دیکھ رہی تھی' جو چلا رہی تھیں۔

"تم دشمن ہو سنی کے' اسے مارنا چاہتے ہو۔" ایک اور تھپڑ اس کے رخسار پر پڑا تھا۔ "میں نے خود دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے' تم نے اسے سیڑھیوں سے لڑھکایا جان بوجھ کر' وہ تو اللہ نے رکھ لیا۔"

"صاحب کا فون ہے۔" مینو نے چلا کر بتایا حالانکہ وہ پہلے ہی جان چکی تھیں۔ وہ یونہی چلاتی ہوئی فون تک پہنچی تھیں۔ سنی اپنے نظر انداز ہونے پر اب اونچا اونچا حلق پھاڑ کر رو رہا تھا۔ وہ ساکت کھڑا تھا۔

مشاعل کی ممی رو رو کر کیا کہہ رہی تھیں۔ وہ سن نہیں رہا تھا۔ مینو نے اس کے قریب آکر کہا تھا وہ فون پر اپنے پاپا سے بات کر لے شاید وہ اسے بلا رہے تھے۔ مشاعل کی ممی نے تمسخر اڑاتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اور جھک کر کیری کاٹ کے اسٹریپ کھولنے لگیں۔

وہ میکانکی انداز میں آگے بڑھا تھا اور نیچے پڑا ہوا ریسیور اٹھالیا۔

"جی پاپا!" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"ہادی تم!" وہ بہت غصے میں تھے۔

"تم اپنے ہی بھائی کو مارنا چاہتے تھے ذلیل انسان!" وہ گالیاں دے رہے تھے اور وہ ہمیشہ کی طرح کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"کیا کروں میں تمہارا... مر جاتے تم بھی اپنی ماں کے ساتھ۔ بلکہ مر گئے ہو میرے لیے۔"

وہ صفائی میں ہمیشہ کی طرح کچھ نہیں کہہ سکا۔ لفظ اُمڈ اُمڈ کر لبوں تک آتے' لیکن پھر لبوں سے باہر نہ نکل پاتے۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ اس نے سنی کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اس نے سنی کو نہیں گرایا۔ اس نے بے بسی سے مینو کی طرف دیکھا جو ٹی وی ٹرالی صاف کر رہی تھی۔ لیکن مینو نظریں چرا کر ٹرالی پر زور و شور سے کپڑا رگڑنے لگی اور مشاعل پتا نہیں کہاں تھی۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو ممی اتنی دیدہ دلیری سے جھوٹ نہ بولتیں۔

"ہر روز تمہاری شکایتیں سن سن کر تھک چکا ہوں۔ ان چند دنوں میں تم نے کیا کیا نہیں کیا۔"

اب وہ اس کے قصور اور غلطیاں گنوا رہے تھے۔

"میں... میں آئندہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم میرے لیے مر گئے ہو ہادی!"

دوسری طرف ریسیور زور سے پھینکا گیا تھا۔ اور وہ ریسیور تھامے ساکت کھڑا رہ گیا۔ ریسیور سے ٹوں ٹوں کی آواز آرہی تھی۔

"مینو!"

مشاعل کی ممی نے سنی' مینو کو پکڑایا اور اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر کریڈل پر ڈالا۔

"اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے تم۔"

"وہ کہاں جائے گا بھلا۔"

اس نے نم آنکھوں سے مشاعل کی ممی کو دیکھا تھا۔

"نکلو اس گھر سے۔ یہاں رہو گے تو سنی کو مار ڈالو گے۔"

انہوں نے اس کا بازو پکڑا اور دھکیلتے ہوئے دروازے تک لائیں اور پھر دروازے سے باہر دھکا دیتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور دروازہ بند ہونے سے پہلے اس نے مشاعل کو دیکھا تھا' جو آنکھیں ملتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر آئی تھی' اس نے ملتجی نظروں سے مشاعل کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا ممی؟"

"سنی کو مارنے لگا تھا۔ سیڑھیوں سے گرا دیا اسے۔"

اور دروازہ بند ہو گیا۔ بند دروازے کے باہر اس نے مشاعل کی باریک سی آواز سنی۔

"نہیں ممی! وہ کہاں جائے گا۔"

"میری طرف سے جہنم میں جائے۔" وہ زور سے چلائی تھیں۔

"یہاں رہا تو گلا گھونٹ دے گا میرے بچے کا۔"

"نہیں... نہیں پلیز دروازہ کھولیں۔" وہ دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

اس نے پہلی بار آج مشاعل کو آواز دی تھی۔

"مشی... مشاعل پلیز دروازہ کھولو۔"

اس نے سن روم کی کھڑکی کو بھی بجایا۔ آوازیں دیں۔ پھر وہ کچن کی طرف آیا۔ وہ کہیں جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پاپا کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ سنی کے ساتھ کیسے کچھ کر سکتا ہے۔ وہ اس کا بھائی ہے اور وہ اس سے بہت پیار کرتا ہے۔ ٹھیک ہے پاپا نے اس سے کہا ہے کہ وہ اس کے لیے مر گیا ہے۔ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتے' لیکن وہ ایک بار کوشش کر کے پاپا کو بتانا چاہتا تھا۔ وہ لکھ کر بتادے گا جیسے بھی ممکن ہوا' لیکن اسے پاپا کو بتانا ہے ہر صورت' کہ وہ سنی کا دشمن نہیں ہے۔ وہ وہیں برآمدے میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ایک بار اٹھ کر وہ کچن کی طرف بھی گیا تھا۔ کچن کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک کچن کی کھڑکی کی جالی سے چہرہ چپکائے اندر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا کہ شاید مینو کچن میں ہو یا پھر مشاعل کی ممی ہی آجائیں وہ ان کی منت کر لے' لیکن کچن میں اندھیرا تھا۔ وہ پھر آکر برآمدے میں دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا اور کان لگا کر اندر کی آوازیں سننے

کی کوشش کرتا رہا تھا۔ بہت دیر بعد اندر سے مینو اور ممی کی مدھم سی آواز آئی تھی۔ اس نے پھر دروازہ کھٹکھٹانا شروع کردیا اور آوازیں دینے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھلا تھا۔ یہ مشاعل کی ممی تھیں۔

"تم ابھی تک یہیں مرے ہوئے ہو۔"

انہوں نے اسے پاؤں سے ٹھڈا مارا تھا اور بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے گیٹ کی طرف لے جانے لگیں تو مشاعل روتی ہوئی ان کے پیچھے آئی۔

"ممی! ایسا نہ کریں۔ ممی! ہادی کو نہ ماریں۔"

لیکن انہوں نے اسے گیٹ سے باہر نکال کر گیٹ بند کردیا۔ کچھ دیر وہ یونہی گیٹ کے پاس کھڑا رہا۔ صبح سے ہونے والی بارش عصر تک ہوتی رہی تھی۔ اس وقت بھی فضا میں خنکی تھی، لیکن اوپر آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ اس نے اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے۔ اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اس نے فوراً" ہی جیب سے ہاتھ نکالا۔ جیب میں ایک مارکر اور چند سکے تھے۔ یہ مارکر اس کے دوست کا تھا، جو چھٹی کے وقت اس سے پہلے نکل گیا تھا اور اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے وہ اسے نظر آگیا تو اس نے اسے جیب میں ڈال لیا تھا کہ وہ باہر ملے گا تو اسے دے دے گا، لیکن وہ اسے نہیں ملا تھا۔ وہ مارکر ہاتھ میں لیے کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے گیٹ کے ساتھ دیوار پر بڑے بڑے لفظوں میں لکھا۔

"پاپا! میں نے سنی کو نہیں مارا۔ مشاعل کی ماما جھوٹ بولتی ہیں۔"

اس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ اسے پاپا کا انتظار کرنا تھا، لیکن پاپا پتا نہیں کب آتے۔ اسے آس پاس کے اندھیرے سے یکایک خوف محسوس ہونے لگا، اور وہ چلنے لگا۔ بغیر سوچ کہ اسے کہاں جانا ہے وہ چل رہا تھا۔ پگڈنڈی پر سفیدے کے درختوں سے ادھر۔ چونکا تو تب جب وہ گراؤنڈ کے پاس تھا۔ اس نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا کلب کی عمارت کے گیٹ پر مدھم روشنی کا پیلا بلب جل رہا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا گراؤنڈ کے باہر۔ زمین بارش کی وجہ سے گیلی تھی، لیکن اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بیٹھ گیا تھا اور گراؤنڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گراؤنڈ اور میدان بھر گیا تھا۔ اس کے کانوں میں سیٹیوں اور تالیوں کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ بال کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اس کی رفتار چیتے کی سی تھی۔ اس نے جست لگائی جھکا، پیر اوپر اٹھایا۔ گیند کو ٹھوکر لگی۔ وہ فضا میں بلند ہوئی۔ مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کے سر سے گزرتے ہوئے گیند نے حیران کن موڑ کاٹا اور گیند نیٹ میں پہنچ چکی تھی۔ ساتھی کھلاڑیوں نے اسے کندھوں پر اٹھا لیا تھا۔

یکایک بادل گرجا تو وہ چونکا۔ گراؤنڈ کے کنارے وہ گیلی زمین پر بیٹھا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے تو آسمان پر سینکڑوں تارے چمک رہے تھے اور اب یک دم ہی تاریکی چھا گئی تھی اور بارش کے ننھے ننھے قطرے گرنے لگے۔ وہ بھیگ رہا تھا۔ بجلی چمکی تو اس نے چند میٹر کے فاصلے پر گول پوسٹ کو دیکھا۔ وہ اٹھا۔

اب وہ ہولے ہولے چلتا ہوا گول پوسٹ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ پہلی بار گراؤنڈ کے اندر قدم رکھ رہا تھا اور گول پوسٹ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر اس کے الوژن نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بادل چند قطرے برسا کر چلے گئے تھے۔ آسمان پر پھر تارے چمک اٹھے تھے اور وہ گول پوسٹ کے پاس کھڑا تھا۔ وہ کب بیٹھا۔ کب وہیں بیٹھے بیٹھے گیلی زمین پر سو گیا.....

محی الدین صاحب نے صبح کمرے کی کھڑکی کھولی. مطلع صاف تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا، لیکن فضا میں روشنی تھی۔ کل بھی بارش کی وجہ سے فائنل ملتوی ہو گیا تھا۔ وہ گراؤنڈ کا جائزہ لینے کے لیے کمرے سے باہر نکل کر نیچے اترے۔ اگر گراؤنڈ کی حالت اچھی ہو تو وہ آج ہی فائنل کروادیں اور گھر جاسکیں۔

فاطمہ کا فون آیا تھا کہ گڑیا اپنے بابا کے لیے بہت اداس ہے۔ وہ خود بھی اداس ہو رہے تھے۔ جب ایگل کلب کی طرف سے انہیں بلوایا گیا تو وہ انکار نہ کرسکے. انہیں اپنے اس چھوٹے سے شہر سے جواب ضلع بن چکا تھا۔ بہت محبت تھی اور ایگل کلب سے تو ان کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ انہوں نے اور عبدالہادی نے اس کلب کی طرف سے بہت سے میچ کھیلے تھے اور کلب کے آفس میں آج بھی ان کی جیتی ہوئی ٹرافیاں سجی تھیں۔ وہ اپنی سوچوں میں گم کلب کے صدر گیٹ سے نکل کر میدان سے گزر کر گراؤنڈ میں پہنچے تو ٹھٹک کر رک گئے۔ گراؤنڈ کے اندر گول پوسٹ کے پاس کوئی تڑا مڑا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکے اور جھک کر اسے سیدھا کیا۔

وہ ہادی تھا..... وہی بچہ۔

وہ کب یہاں آیا اور یہاں کیوں سو رہا تھا۔ وہ پوچھنا چاہتے تھے، لیکن اس نے ایک بار آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ کیا وہ ساری رات یہاں سوتا رہا ہے۔ رات کو غالباً" اوس بھی پڑی ہوگی اور زمین بھی گیلی تھی۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اس کا ماتھا آگ کی طرح تپ رہا تھا۔

"ہادی..... ہادی بیٹے!" لیکن وہ ہوش میں نہیں تھا۔

انہوں نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ دس گیارہ سال کے دبلے پتلے بچے کا وزن ہی کیا تھا۔ وہ اسے دونوں بازوؤں پر اٹھائے کلب کی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ لاؤنج میں اندھیرا کیے کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ کھڑکی کے پردے سمٹے ہوئے تھے اور شیشوں سے اسٹریٹ لائٹ کی مدھم سی روشنی اندر آرہی تھی۔ کبھی کبھی وہ اٹھ کر شیشے سے ناک چپکائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتی۔ سامنے غلام مصطفیٰ کے بیڈ روم کی بالکونی تھی جس کا دروازہ بند تھا، لیکن پھر بھی وہ وقفے وقفے سے ادھر دیکھتی تھی، لیکن نہیں جانتی تھی کیوں..... باہر سرد ہوائیں چل رہی تھیں جن کی خنکی میں برف کے ذرات اڑتے تھے اور بالکونی ویران پڑی تھی پھر بھی اسے ادھر دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ ادھر اس گھر کی طرف، جہاں مصطفیٰ رہتا تھا۔ کبھی کبھی وہ کھڑکی کھول دیتی تو ایک دم یخ بستہ ہوا اس کے چہرے سے ٹکراتی تو وہ کھڑکی بند کر کے ناک شیشے سے چپکا لیتی۔ حالانکہ بالکونی ویران پڑی تھی اور سامنے والے گھر کی لائٹیں بند ہو چکی تھیں، سوائے گیٹ پر جلتے مدھم سے بلب کے اور غلام مصطفیٰ سو چکا ہوگا۔ اور یہ والا کمرا جس کی بالکونی میں چند بار اس نے غلام مصطفیٰ کو دیکھا تھا، پتا نہیں مصطفیٰ کا بیڈ روم تھا یا اسٹڈی یا پھر.....

وہ یونہی لایعنی سی باتیں سوچتی رہی اور اٹھ اٹھ کر کھڑکی کے شیشوں سے باہر دیکھتی رہی اور پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی، جب اس نے گاڑی کی اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی اور ساتھ ہی اونچا اونچا بولنے کی آواز۔ یہ یقیناً" مارتھا کی آواز تھی۔ مارتھا جو ایسی پارٹیوں کے بعد گھر آکر یوں ہی چیختی چلاتی تھی، کیوں کہ وہ زیادہ پی جاتی تھی اور آج بھی لاؤنج کی ملگجی سی روشنی میں اس نے پال اور مارتھا کو اندر آتے دیکھا۔

پال نے مارتھا کو سہارا دے رکھا تھا جبکہ وہ خود بھی لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ لائٹ جلائے بغیر صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

"تم زندگی بھر یوں ہی رہنا احمق بے وقوف۔"

مارتھا جو وہاں ہی رک گئی تھی، چلائی۔

"چلاؤ مت۔ تمہارے چلانے سے جوزی جاگ جائے گی۔"

"جوزی جاگ جائے گی۔" مارتھا پہلے زور سے ہنسی، پھر چیخی۔

"کیا وہ دو تین سال کی ننھی بچی ہے، جو تمہیں اس کے جاگ جانے کی فکر ہے۔"

اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی اور وہ جہاں کھڑی تھی، وہاں سے اسے جوزفین بیٹھی نظر نہیں آرہی تھی۔

"اب بس کردو پال..... بس کردو۔ اس کے منہ میں لقمے بنا بنا کر ڈالنا۔"

وہ ایک ہاتھ کمر پر رکھے اسے گھور رہی تھی۔

"تمہیں غصہ کس بات پر ہے مارتھا! میں ابھی تک

سمجھ نہیں سکا۔ میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ وہ مجھے بتا کر آئی تھی کہ وہ گھر جا رہی ہے۔"

"تمہیں بتا کر... کیا تم میزبان تھے۔ اسے ایلین کو بتانا چاہیے تھا۔ اس سے معذرت کرنی چاہیے تھی۔ اگر ایسی ہی اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی تو حالانکہ اس کی طبیعت ہرگز خراب نہیں تھی۔ اس نے بہانہ کیا ہو گا۔"

"بہانہ!" پال نے سوچا۔ "اس نے کہا تھا وہ گھر جا رہی ہے بس۔"

"اور جانتے ہو، مجھے کتنی شرمندگی ہوئی، جب ایلین نے مجھ سے پوچھا۔ وہ کہاں ہے اور میرے بجائے اس لمبے لڑکے نے جواب دیا کہ وہ اس فٹ بالر غلام مصطفیٰ کے ساتھ چلی گئی۔"

"وہ... وہ اسے کہاں سے مل گیا؟"

پال چونک کر سیدھا ہو گیا۔ اسے غلام مصطفیٰ کا کھیل پسند تھا اور جب وہ اپنے شہر میں رہتا تھا تو وہاں کے ایگل فٹ بال کلب کی طرف سے خود بھی کھیلتا تھا۔ اسکول اور کالج کے زمانے میں۔

"وہ لمبا لڑکا ہی اسے اپنے ساتھ پارٹی میں لایا تھا۔ اور وہ تمہاری معصوم بیٹی اس کے ساتھ چلی گئی۔ میں کہہ رہی ہوں پال! تمہاری لڑکی مسلمانوں سے بہت ہمدردی رکھتی ہے۔ سنبھالو اسے... وہ چار سال جو اس نے اپنے سوتیلے باپ کے گھر گزارے۔"

"نہیں۔" پال نے اس کی بات کاٹی۔ "وہ ایسا آدمی نہیں تھا۔ مجھے خود جوزی نے بتایا تھا کہ وہ اپنی ممی کے ساتھ ہر سنڈے کو سروس کے لیے چرچ جاتی تھی اور اس کے باپ نے کبھی منع نہیں کیا۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"وہ بہت نائس آدمی تھا۔"

"تب ہی تمہاری سابقہ بیوی مسلمان ہو گئی تھی۔" مارتھا تمسخر سے ہنسی۔

"وہ اپنی مرضی سے مسلمان ہوئی تھی۔"

"اچھا!" مارتھا کا اچھا خاصا لمبا تھا، پھر وہ تھوڑا سا آگے بڑھی۔ اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی تھی۔

"سنو پال! آج ایلین نے مجھ سے صاف لفظوں میں کہا۔ وہ جوزی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ بھلے کل ہی وہ اس کے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جائے۔"

"مارتھا!" پال کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اپنی بیٹی کی شادی کروں گا۔"

"اچھا! یہاں کون تمہاری بیٹی سے شادی کرے گا؛ تم دیسی عیسائی... ہونہہ۔" مارتھا نے دائیں طرف منہ کر کے تھوکا۔

"میں پاکستان چلا جاؤں گا اور وہاں دھوم دھام سے اپنی بیٹی کی شادی کروں گا۔"

مارتھا لمحہ بھر آنکھیں میچ کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی پوری آنکھیں کھولیں۔

"تو ایلین بھی کہہ رہا تھا کہ اگر دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تو وہ جلد شادی کر لیں گے، لیکن ابھی نہیں۔"

"ہاں ابھی نہیں، جب تین چار بچے ہو جائیں گے تب اور تب تک اگر انڈر اسٹینڈنگ نہ ہوئی تو بچوں سمیت گھر سے باہر... ہیں نا... ایسا ہی نا..."

پال کی آواز بلند ہو گئی تھی اور گود میں رکھے جوزفین کے ہاتھ ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے۔ ایک بار پھر اس کی وجہ سے دونوں میں لڑائی ہونے جا رہی تھی۔

"چلاؤ مت۔" مارتھا کی آواز بھی بلند ہوئی۔

"سوچو... سوچو ذرا ایک دیسی عیسائی کی دیسی بیٹی کے انگریز بچے... تم اقلیت سے اکثریت بن جاؤ گے، تمہارے نواسے اور نواسیاں..."

وہ لہرائی اور فضا میں دونوں طرف ہاتھ پھیلا کر گھومی۔

"انگریز..."

"چپ کرو۔" پال اور بھی بلند آواز میں چیخا اور لہراتے ہوئے مارتھا نے یک دم لائٹ جلا دی۔ جوزفین کی آنکھیں یک دم تیز روشنی نے چندھیا دیں۔ اس نے ایک دم آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ مارتھا نے اسے دیکھ لیا۔

"تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟" مارتھا اب اس سے مخاطب تھی۔

"میں... میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہی تھی۔"

مارتھا نے اوپر سے نیچے تک مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک اسی پارٹی ڈریس میں تھی۔

"تم تب سے اب تک یہاں بیٹھی ہو۔" بایاں ہاتھ کمر پر رکھے مارتھا تمسخر سے ہنسی۔

"اور وہ تمہارا بوائے فرینڈ... کیا وہ تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منا کر چلا گیا۔"

"وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں، میں نے صرف گھر تک لفٹ لی تھی... وہ یہاں ہی رہتا ہے سامنے تو..."

اور وہ فٹ بال کا کھلاڑی ہے غلام مصطفیٰ۔" اس نے پال کی طرف دیکھا۔ اس نے اس طرح پال کو مصطفیٰ کے متعلق بتانے کا نہیں سوچا تھا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ تم جاؤ، اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ اور تمہیں ہمارا انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی ہنی!" پال کا لہجہ نرم تھا۔ اس نے ممنون نظروں سے پال کی طرف دیکھا اور جانے کے لیے قدم بڑھایا۔

"نہیں...!" مارتھا نے اس کا بازو پکڑ کر اسے جانے سے روک دیا۔ جوزفین کو اس کی انگلیاں اپنے بازو میں چبھتی ہوئی سی محسوس ہوئیں۔

"بات تمہارے متعلق ہو رہی ہے۔ بہتر ہے کہ تم بھی سن لو۔ میں نے ایلی سے کہا ہے کہ تم دو تین روز تک اس کا اپارٹمنٹ شیئر کرو گی اور..."

"نہیں..." اس کے ہونٹوں سے باریک سی آواز نکلی تھی اور پال دھاڑا تھا۔

"نہیں... مارتھا! میں کہہ چکا ہوں کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا۔"

"تمہارے پاکستان میں کیا کچھ نہیں ہوتا، کیا میں نہیں جانتی؟"

"جو کچھ بھی ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں ہوتا۔ میری بہنوں کی اور میرے بھائیوں کی اور میرے دوسرے رشتہ داروں کی سب بچوں کی شادیاں ہوئیں۔ بیٹیاں رخصت ہو کر گھروں سے گئیں... ایسے نہیں۔"

"تو ہم بھی اسے رخصت کر دیں گے، میں اور تم۔ دونوں اسے ایلی کے اپارٹمنٹ میں چھوڑ آئیں گے۔ تمہاری اس چوچی کو۔"

"مارتھا... مارتھا خداوند یسوع مسیح کے لیے۔ یہ خناس دماغ سے نکال دو۔ ہم..."

"بس...!" مارتھا نے ہاتھ بلند کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود صوفے پر دھپ کر کے بیٹھی اور اسے گھورنے لگی۔ وہ پال کے صوفے کے بائیں طرف پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی۔ اسے لگا، جیسے وہ گر جائے گی، اگر اس نے صوفے پر ہاتھ نہ رکھا ہوتا۔

"تم...!" اس نے انگلی اٹھا کر جوزفین کی طرف اشارہ کیا۔

"صبح تک فیصلہ کر لو... نہیں تو صبح میں تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دوں گی... یہاں کے لاء کے مطابق اب تم ہماری ذمہ داری نہیں رہی ہو۔ تمہیں ایلی کے پاس نہیں جانا، مت جاؤ... لیکن یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ جہاں بھی جانا ہے جاؤ... اٹھارہ سال کے بعد سب خود کماتے ہیں... تم انیس سال کی ہونے والی ہو۔ جاب کرو۔ اپنا اپارٹمنٹ لو۔ کسی کے ساتھ شیئر کرو یا جو بھی کرو... یہ گھر چھوڑ دو... اچھی طرح سن لیا ہے تم نے۔"

اس نے اپنا ہاتھ نیچے کیا۔ پال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ ہمیشہ پی کر آؤٹ ہو جاتی ہو۔ منع کر رہا تھا میں زیادہ مت پیو، لیکن وہ صحیح ہے نا کہ مال مفت دل بے رحم۔" وہ ہنسا۔

"دانت اندر کرو۔ یہ بکواس نہیں ہے۔"

"اگر یہ بکواس نہیں ہے تو یہ اکیلی کیسے رہے گی۔ نہیں رہ سکتی... نیا سمسٹر شروع ہونے پر میں اسے کالج میں داخل کروانے والا ہوں۔ میں اپنی کمائی خرچ کروں گا اس پر۔"

"پچھلے دو سال سے تم یہی کہہ رہے ہو اور تمہاری کمائی۔" مارتھا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر زور سے

ہنسی۔

"ہم دونوں کی کمائی سے بمشکل گھر کا کرایہ بل اور ٹیکس ادا ہوتے ہیں۔ اور یہ جو ہم کھاتے ہیں نا مہینے میں ایک بار چکن اور انڈے۔"

وہ زور زور سے ہنسنے لگی اتنا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے پال کی طرف دیکھا۔ "پھر یہ بھی نہیں ملیں گے بلکہ فاقے.... سنا تم نے۔"

"میں اوور ٹائم کرلوں گا۔"

"واہ! تم اوور ٹائم کرو گے۔" اس نے تالی بجائی۔

"پادری جیکب کے لاڈلے بیٹے تم... اور اس سے اپنی بیٹی کو پڑھاؤ گے۔"

اس نے پھر تالی بجائی اور دیر تک بجاتی رہی۔

وہ یقیناً" نشے میں تھی۔ جوزفین کو یقین تھا' لیکن نشے میں بھی وہ ناک ناک کر نشانے لگا رہی تھی۔

"جو بھی کرو۔" اس نے تالی بجانا بند کی۔ "یہ کل سے یہاں نہیں رہے گی۔ اگر رہنا ہے تو اپنے حصے کا خرچ دے اور کمرے کا کرایہ۔"

مارتھا ذرا سی نرم پڑی تھی۔

"مارتھا! چلو پاکستان چلیں۔ وہاں ہم کتنے خوش تھے' اور ہماری کتنی عزت تھی۔ تم اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ گھر میں ماسی کام کرنے آتی تھی۔ تمہیں کام نہیں کرنا پڑتا تھا اور...."

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مارتھا کے پاس زمین پر بیٹھ کر اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے۔

"پلیز چلو پاکستان واپس۔ وہاں ہماری جوزی پڑھ کر ڈاکٹر بنے گی۔ یہ جب پیدا ہوئی تھی تو اس کے دادا نے کہا تھا اسے ہم ڈاکٹر بنائیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" مارتھا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اتنے سالوں سے تمہارا بھائی کوشش کر رہا تھا اور اب جبکہ ہمیں برٹش پاسپورٹ ملنے والے ہیں ہم یہاں سے چلے جائیں احمق!"

"لیکن میں یہاں ناخوش ہوں مارتھا! بہت ناخوش۔"

"لیکن میں یہاں بہت خوش ہوں۔ یہاں سب مجھے برٹش ہی سمجھتے ہیں۔ خالص انگریز۔"

"ہاں جب تک تم نہ بولو۔ جب تم بولتی ہو تو بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔"

پال نے قہقہہ لگایا اور اٹھ کر دور کھڑا ہو گیا۔ وہ قہقہہ لگا رہا تھا۔

"نکومت۔" مارتھا کی انا پر ضرب پڑی تھی کہ اس نے ٹیبل پر پڑا گلدان اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ جو اسے نہیں لگا تو مارتھا کے ہاتھ میں جو چیز لگی وہ اٹھا اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے لگی۔ کشن' لکڑی اور پیتل کے ڈیکوریشن پیسز جو وہ پاکستان سے لائے تھے۔ صوفے کے پیچھے دبکی جوزفین نے سوچا شکر ہے کوئی کرسٹل یا شیشے کی چیز نہیں ہے یہاں۔ پال بندروں کی طرح پورے کمرے میں تھرکتا ہوا مارتھا مارتھا کہہ رہا تھا' پھر آخری چیز اس کی طرف پھینک کر مارتھا کھٹ کھٹ کرتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی تو جوزفین نے صوفے کے پیچھے سے نکل کر دیکھا۔ لاؤنج میں سامان بکھرا پڑا تھا اور پال بیچوں بیچ کھڑا حیران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ بیٹھ گیا اور یکایک وہ رونے لگا اونچا اونچا بلند آواز میں۔ یقیناً" وہ بھی نشے میں تھا اور مارتھا کی طرح اس نے بھی بہت پی لی ہو گی۔ جوزفین ہولے ہولے چلتی اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"پاپا!" پال نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مارتھا بہت ظالم ہے جوزی... وہ میری بات نہیں سمجھتی۔ آؤ ہم دونوں پاکستان چلتے ہیں!"

"پاکستان ہاں ٹھیک ہے لیکن...."

اور یہ لیکن پتا نہیں کیسے اس کے ذہن میں آکر اٹک گیا۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر پال کو دیکھنے لگی۔ وہاں غلام مصطفیٰ تو نہیں ہو گا۔ اگر وہ پاکستان چلی گئی تو پھر کبھی غلام مصطفیٰ کو نہیں دیکھ سکے گی اور کبھی اس سے نہیں مل سکے گی۔

اس کا لاشعور اس سے کہہ رہا تھا' لیکن وہ پال کو دیکھ رہی تھی اگر آج سے پہلے پال نے یہ کہا ہوتا تو وہ خوشی سے اچھل پڑتی۔

اسے پاکستان بہت پسند تھا اور پاکستان میں بھی اپنے باپ کا شہر' جہاں گرجے سے منسلک ان کا گھر تھا۔ گرجے کی طرح ہی سرخ اینٹوں سے بنا انگریزوں کے زمانے کا اور جہاں گرجے کی پیشانی پر سن تعمیر 1942ء لکھا تھا اور گھر سے منسلک چھوٹا سا باغیچہ جس میں دادا سردیوں میں اپنی آرام دہ کرسی پر دراز بائبل پڑھا کرتے تھے اور دادی پاس ہی بیٹھی سوئٹر بنتی تھیں۔ وہ وہاں اس گھر میں جا کر بہت خوش ہوتی' لیکن یہ تو تب ہوتا نا جب اسے غلام مصطفیٰ نہ ملا ہوتا' لیکن اب تو وہ غلام مصطفیٰ سے ملی تھی اور اسے لگتا تھا' جیسے اس کے پاؤں بندھ گئے ہوں اور وہ اب یہاں سے نہ ہل سکے گی۔ کیوں کہ یہاں غلام مصطفیٰ ہے۔ وہ غلام مصطفیٰ کی وجہ سے یہاں سے کیوں نہیں جانا چاہتی تھی' اس وقت وہ نہیں جانتی تھی' لیکن لاشعور نے شعور میں یہ بات منتقل کر دی تھی اور اب وہ پال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ممی سچ کہتی ہیں۔ مارشل انکل سات سال سے کوشش کر رہے تھے اور اب جبکہ ہمیں پاسپورٹ ملنے والے ہیں تو ہمیں...." اس نے پال کے کندھے پر رکھے ہاتھ ذرا سا دبا کر اسے تسلی دی۔

"ایک بار ہمیں برٹش پاسپورٹ مل جائیں تو پھر ہم چلے جائیں گے اور جب کبھی آنا ہوا تو ہم آسکتے ہیں۔"

پال نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "بروٹس تم بھی۔" والی نظر سے' لیکن اس نے نظریں چرالیں۔

"اور میں جاب کرلوں گی پاپا.... ممی کے اسٹور پر ایک سیلز گرل کی جگہ ہے یا پھر کہیں بھی۔"

"اور جاب کر کے تم گھر چھوڑ دو گی۔"

"نہیں۔ میں یہیں رہوں گی اور ممی کو کرایہ دوں گی۔"

"ہائے میں یہاں کیوں آیا!" پال نے عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ مارا۔

وہ بہت سنجیدہ اور بردبار سا تھا' لیکن اس وقت نشے میں اسے خود پر اختیار نہیں تھا۔ وہ وہاں پاکستان میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ یہاں کے ماحول کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ حالانکہ بہت سارے لوگ قبول کر لیتے ہیں اور یہاں زیادہ خوش رہتے ہیں' لیکن وہ خوش نہیں تھا۔ اسے جوزفین کے لیے یہ سب پسند نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ایک پادری کا بیٹا تھا یا پھر اس کی اپنی کیمسٹری ہی ایسی تھی کہ اسے جوزفین کے لیے یہ قبول نہیں تھا۔

"تم.... تمہارا دل چاہتا ہے اپنی ممی کے پاس جانے کو۔" اب اس نے پینترا بدلا تھا۔

"میں تمہیں دھوکے سے لے آیا تھا تمہاری ممی کے پاس سے تو تم۔"

"نہیں۔ مجھے ممی کے پاس نہیں جانا۔"

وہ ممی کے بجائے پال کے ساتھ زیادہ خوش تھی اور مارتھا بھی جب تک پاکستان میں تھی اس کا رویہ ٹھیک تھا۔ ممی کے پاس جانے کا خیال تو اسے کبھی کبھی اس لیے آتا تھا کہ کیا خبر.... اور پتا نہیں وہ.... پال پھر رونے لگا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ رہوں گی ہمیشہ...."

وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور اس نے پال کا سر سینے سے لگا لیا۔ پال کے سر کو چوما اور ہولے ہولے تھپکنے لگی۔ بالکل ایسے جیسے پال کی ماں اسے تھپکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ صبح بہت چمکیلی اور روشن تھی جب اس کی آنکھ کھلی تو دھوپ کھڑکی کے شیشوں سے چھن چھن کر سیدھی اس کے بیڈ پر آرہی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ کمرا اس کا نہیں تھا۔ یہ تو کسی ہاسپٹل کا کمرا تھا۔

اس نے لوہے کے پایوں والے بیڈ کو دیکھا۔ ایسا ہی ایک اور بیڈ اس کے بیڈ کے بائیں طرف والی دیوار کی طرف لگا تھا' لیکن وہ خالی تھا۔ میں یہاں کیسے۔ اس

نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر اسے سب کچھ یاد آتا گیا۔

مشاعل کی ممی نے اسے گھر سے نکال دیا تھا اور پھر وہ... ہاں وہ وہاں گول پوسٹ میں بیٹھا تھا پھر... پھر کیا ہوا تھا؟ اسے یاد نہیں تھا۔ تب ہی واش روم کا دروازہ کھول کر تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے محی الدین باہر نکلے۔ اسے بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر مسکرائے۔

"ہیلو ینگ بوائے! کیسے ہو تم؟"

اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس ہی بیٹھ گئے اور انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"اگر اس صبح تم مجھے گراؤنڈ میں نہ ملتے تو میں اس وقت اپنے گھر میں ہوتا۔ تم جانتے ہو تمہیں نمونیہ کا شدید اٹیک ہوا تھا اور تمہارے بچنے کی امید نہیں تھی۔ تم تین دن آئی سی یو میں رہے اور پھر دو دن پہلے تمہیں یہاں شفٹ کیا گیا تھا۔ تمہیں آج یہاں چھٹا دن ہے۔"

"کیا خبر پاپا آگئے ہوں۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"میں نے بہت کوشش کی تمہارے گھر والوں کے متعلق، لیکن پتا نہیں چل سکا۔ چھ دنوں میں کوئی شخص بھی تمہیں ڈھونڈتا ہوا نہیں آیا۔ کسی نے کوئی اعلان نہیں کروایا۔ میں سوچ رہا تھا آج تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے تو تھانے سے پتا کروں، شاید کسی نے کوئی رپورٹ درج کروائی ہو۔"

"نہیں... میرے پاپا گھر پر نہیں تھے اور۔" آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ "مشاعل کی ممی نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔"

وہ رک رک کر سب کچھ بتاتا چلا گیا اور محی الدین صاحب تاسف سے اسے دیکھتے رہے۔

"اب تم کیا کرو گے۔ کہو تو میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلوں۔"

"لیکن اگر پاپا نہ آئے ہوئے تو ممی مجھے گھر میں نہیں گھسنے دیں گی۔"

"ہوں!" وہ سوچنے لگے۔ ان کا دل اس بچے کے لیے گداز ہو رہا تھا، جس کی سیاہ خوب صورت آنکھوں میں بلا کی کشش تھی۔ اس بچے سے انہیں بڑی اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔

"تمہارے رشتہ دار جن کے ہاں تم اپنے پاپا کے آنے تک ٹھہر سکو۔" کچھ دیر بعد انہوں نے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرے دادا اور دادی زندہ نہیں ہیں۔ ایک چچا اور پھپھو ہیں، دونوں ناروے میں رہتے ہیں اور صرف ایک ماموں تھے، جو ماما کی ڈیتھ سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ میری ماما کہتی تھیں، وہ مجھے اس لیے ہادی کہہ کر بلاتی ہیں، کیوں کہ میرے ماموں کا نام بھی ہادی تھا۔" ہاں اور ماموں کے ذکر پر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"میرے ماموں پلیئر تھے۔ اگر ان کا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا تو آج پاکستان میں۔"

"تمہارے ماموں پلیئر تھے اور ان کا نام عبدالہادی تھا۔" محی الدین نے بے قراری سے پوچھا۔ "تب ہی تو... تب ہی تو تم اتنے اپنے سے لگ رہے تھے۔ تم کلثوم آپا کے بیٹے ہو نا ہادی! ہاں مجھے پتا ہے آپا نے تمہارا نام ہادی رکھا تھا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ہادی میرا بہت اچھا دوست تھا۔ میرا واحد دوست۔ اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کہ آپا... آپا کا انتقال ہو گیا۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ "میں تبھی تو پہلے پاکستان میں نہیں تھا اور اب آیا تو لاہور ہی سیٹل ہو گیا۔ جب ہادی زندہ تھا تو میں اکثر ہادی کے ساتھ آپا کے گھر جاتا۔ تو وہ کھانا کھلائے بغیر آنے نہ دیتی تھیں۔ آپا کو ہادی سے بہت پیار تھا کیوں کہ ہادی بہت چھوٹا سا تھا، جب ہادی کے والدین کا آگے پیچھے انتقال ہو گیا تھا اور خود ان کی اولاد نہیں تھی۔"

نرس اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔

"ناشتا کیا؟" اس نے ہادی سے پوچھا۔

"نہیں سسٹر ابھی اٹھا ہے۔" انہوں نے نرس کی طرف دیکھا۔

"کیا آج میں اسے گھر لے جا سکتا ہوں۔"

"ڈاکٹر صاحب سے پوچھ لیں ایک بار۔ میرے خیال میں یہ بہت بہتر لگ رہا ہے۔"

اس نے بخار چیک کیا اور ان کی طرف دیکھا۔

"ناشتا کروا کے یہ دوا دے دیں۔" اس نے ٹرے میں سے کچھ گولیاں اٹھا کر انہیں دیں اور فائل اٹھا کر اس میں ٹمپریچر نوٹ کیا۔

"کیا ابھی ٹمپریچر ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں، لیکن زیادہ نہیں۔ ہنڈرڈ ہے۔" نرس بتا کر چلی گئی تو وہ اس کے لیے ناشتا لینے چلے گئے۔ وہ خاموش لیٹا کھڑکی سے چھن چھن کر آتی دھوپ کو دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا۔ نہ پاپا کے متعلق، نہ مشاعل کی ممی کے متعلق۔ بس خالی خالی نظروں سے کبھی کھڑکی کی طرف دیکھتا اور کبھی پورے کمرے میں نظر دوڑاتا اور پھر آنکھیں بند کر لیتا۔ کچھ دیر بعد وہ ناشتا لے کر آگئے۔

اس نے صرف آدھا سلائس کھایا تھا وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔ انہوں نے اسے دوائیں دیں اور اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"تم پریشان مت ہو بیٹا! میں خود تمہارے پاپا سے بات کروں گا اور انہیں سمجھاؤں گا۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"پاپا آپ کی بات مان لیں گے؟" وہ متذبذب سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیوں نہیں۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔ جب ہادی زندہ تھا تو کئی بار ملاقات ہوئی تھی۔" وہ مسکرائے۔

"تم اب لیٹ جاؤ۔" وہ خاموشی سے لیٹ گیا اور کچھ دیر بعد ہی سو گیا۔ پچھلے دو دن بھی وہ دواؤں کے زیر اثر سوتا ہی رہا تھا۔ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے، لیکن انہیں جانا تھا۔ پچھلے پانچ دنوں سے وہ اس کے پاس ہی اسپتال میں تھے۔ پہلے تین دن تو اس کی حالت بہت ہی خراب تھی، لیکن آج انہیں ہر صورت حبیب الرحمٰن سے ملنا تھا۔ انہیں لاہور سے آئے بہت دن ہو گئے تھے۔ فاطمہ اور گڑیا بہت پریشان ہوں گی۔ وہ جانتے تھے، لیکن وہ اسے یوں بے یار و مدد گار چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔

وہ عبدالہادی کا بھانجا تھا، لیکن اگر وہ عبدالہادی کا بھانجا نہ بھی ہوتا تب بھی وہ اسے یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ ایک وارڈ بوائے کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ اسپتال سے نکلے۔ باہر نکلتے ہی انہیں تانگہ مل گیا تھا اور حبیب الرحمٰن کے گھر تک پہنچنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ سفیدے کے درختوں سے گزر کر وہ وہی گھر تھا جس میں کئی بار وہ ہادی کے ساتھ آپا سے ملنے آئے تھے۔ بیل دینے پر ملازمہ نے گیٹ کھولا اور ان کے استفسار پر بتایا کہ "صاحب گھر نہیں ہیں۔ کراچی گئے ہوئے ہیں۔"

"اچھا!"

وہ سوچ میں پڑ گئے۔ "بیگم صاحبہ تو گھر پر ہیں نا؟"

"جی...!" ملازمہ نے سر ہلایا۔

"تو بیٹا! پھر ان سے جا کر کہو کوئی ملنے آیا ہے۔"

اور کچھ دیر بعد ہی وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے مشاعل کی ممی سے بات کر رہے تھے۔

"وہ ابھی تک مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا۔ بہت کمزور ہے۔" ہادی کی بیماری اور اس کے ملنے کی تفصیل بتا کر انہوں نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں۔ آپ اسے معاف کر دیں۔ بچہ ہے یقیناً کوئی غلطی ہو گئی ہو گی۔ میں آج شام اسے اسپتال سے لے آؤں گا۔"

"ہرگز نہیں..." وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے بہت اچھی طرح بات کر رہی تھیں۔ یک دم ہی ان کا لہجہ بدل گیا۔ "حبیب نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ ایسے آوارہ لڑکے کو گھر میں نہیں رکھنا چاہتے..."

وہ کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہی تھیں۔ انہوں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"لیکن مجھے علم ہوا تھا کہ حبیب بھائی کافی دنوں سے

کراچی گئے ہوئے ہیں۔ بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ بڑے دل بڑا کر لیتے ہیں۔ پلیز آپ بھی اسے معاف کردیں۔ میں مزید اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ مجھے لاہور جانا ہے۔ وہ کہاں جائے گا۔"

"میری طرف سے جہنم میں جائے۔" انہوں نے ہاتھ ہلایا۔ "اس گھر میں تو نہیں آسکتا۔ ٹانگیں توڑ دوں گی اس کی۔ اگر اس نے یہاں قدم رکھا تو بتا دینا اس کو۔"

وہ بہت دل گرفتہ سے وہاں سے واپس آئے تھے۔ ان کی ہزار منتوں کے باوجود بھی وہ اسے گھر رکھنے پر تیار نہیں تھیں۔

یہ عورت اسے جینے نہیں دے گی، میں اگر اسے اس کے گھر چھوڑ بھی جاؤں تو وہ پھر اسے گھر سے نکال دے گی تب یہ کہاں جائے گا۔ کاش حبیب بھائی سے ملاقات ہو جاتی۔ انہوں نے سنا تھا کہ دوسری شادی کے بعد اکثر مردوں کے لیے ان کی اولاد پرائی ہو جاتی ہے اور انہیں یقین نہیں آتا تھا اور اب..... حبیب الرحمٰن کے ہاں کافی عرصہ بعد اولاد ہوئی تھی، جب آپا تقریباً" مایوس ہو چکی تھیں، جب وہ وہاں تھے۔ عبدالہادی زندہ تھا تو حبیب الرحمٰن اور وہ اولاد کے لیے منتیں مانتے پھرتے تھے اور حبیب الرحمٰن نے منتوں اور مرادوں سے ملنے والی اولاد کو بھلا دیا تھا۔ وہ حبیب الرحمٰن کے گھر سے اسپتال تک مسلسل ہادی کے متعلق ہی سوچتے رہے تھے۔

عبدالہادی ان کے جان سے زیادہ عزیز دوست کی بہت ساری مشابہت لیے یہ بچہ انہیں چند ہی دنوں میں بہت عزیز ہو گیا تھا۔ وہ اسے یوں دربدر بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

وہ اسپتال واپس آئے تو ہادی جاگ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"فائنل میں کون جیتا تھا؟"

"لیاقت میموریل!" انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم جاگنے کے بعد سے اب تک یہی سوچتے رہے ہو؟" ذرا سا مسکرایا۔

"مجھے پتا تھا۔ وہی جیتیں گے۔ محفوظ خان بہت اچھا گول کیپر ہے اور ان کا کپتان بھی زبردست ہے۔ درحقیقت ان کے سارے ہی کھلاڑی زبردست تھے۔"

"تمہیں فٹ بال سے بہت دلچسپی ہے؟" ان کی آنکھوں میں یک دم چمک پیدا ہوئی تھی۔

"میں تمہیں فٹ بالر بناؤں گا۔" وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔

"تم میرے ساتھ میرے گھر چلوگے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ مجھے اپنے گھر رکھ لیں گے؟" وہ بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں اب اپنے گھر نہیں جا سکتا۔ مشاعل کی ممی نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا اور پاپا نے بھی کہا تھا کہ وہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ میں ان کے لیے مر گیا ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان کا صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ سنی!" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"اور مجھے ایک بار پاپا کو بتانا ہے کہ میں نے سنی کو نہیں گرایا۔"

"او کے ریلیکس!" انہوں نے اس کے بازو تھپتھپائے۔

"میں نے پتا کروایا تھا ابھی تمہارے پاپا نہیں آئے۔ کیا تمہیں اپنے پاپا کا کوئی کانٹیکٹ نمبر پتا ہے۔ وہ کراچی میں کہاں ٹھہرتے ہیں۔"

"نہیں....." اس نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔ وہ زیادہ دن یہاں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ وہاں فاطمہ اور گڑیا اکیلی تھیں۔ اور وہ عبدالہادی کے بھانجے کو یوں بے یارو مددگار چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتے تھے۔ کیا خبر کن غلط ہاتھوں میں چلا جائے اور روز محشر وہ عبدالہادی کا کیسے سامنا کریں گے۔ یہ تو طے تھا کہ وہ عورت اسے گھر میں نہیں گھسنے دے گی۔ وہ ہادی کو اسپتال سے لے کر ایک ہوٹل میں منتقل ہو گئے۔ ہادی سے گھر کا نمبر لے کر

انہوں نے کئی بار فون کیا، لیکن ہر بار یہی جواب ملا کہ حبیب الرحمٰن صاحب ابھی کراچی سے نہیں آئے۔

ہوٹل میں آئے بھی انہیں تین دن ہو گئے تھے۔ اب مزید یہاں ٹھہرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ کیا خبر ان سے جھوٹ بولا جا رہا ہو اور حبیب الرحمٰن واپس آگئے ہوں۔ تب ایک بار پھر وہ ہادی کو بتا کر اس کے گھر گئے اور گیٹ پر آنے والی ملازم لڑکی نے بتایا کہ وہ ابھی تک نہیں آئے اور تب انہوں نے اس لڑکی کو اپنا لاہور کا فون نمبر دیا اور کہا کہ "جب تمہارے صاحب آجائیں تو انہیں میرا نمبر دینا اور کہنا کہ وہ مجھے فون کرلیں۔ ہادی میرے پاس ہے۔ ہادی کا ضرور بتانا۔"

انہوں نے اسے تاکید کی تھی اور تب ہادی کو بتا کر کہ اس کے پاپا ابھی تک واپس نہیں آئے اور وہ مزید یہاں رک نہیں سکتے، جب اس کے پاپا آجائیں گے تو وہ اسے لاہور سے لے آئیں گے۔ تاہم اگر وہ یہاں کسی عزیز رشتہ دار کے ہاں جانا چاہے تو وہ اسے ادھر چھوڑ سکتے ہیں۔

"نہیں۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔" وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔

اور وہ اسے لاہور لے آئے۔

☼ ☼ ☼

"فاطمہ! یہ عبدالہادی کا بھانجا ہے۔" انہوں نے فاطمہ کو ساری تفصیل بتائی۔ "اسے اپنے ہادی کی جگہ سمجھو۔ جیسے اللہ نے ہمارا ہادی ہمیں واپس کر دیا ہے۔"

"لیکن یہ ہمارا ہادی کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا باپ ایک دن اسے واپس لے جائے گا۔" وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ انہیں اپنا بیٹا یاد آگیا تھا، جس کا نام محی الدین نے اپنے مرحوم دوست کے نام پر عبدالہادی رکھا تھا، لیکن جو صرف تیرہ سال کی عمر میں جدا ہو گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے فاطمہ! کہ اس بچے کو قدرت مجھ تک لائی ہے ورنہ اس رات وہ بھٹک کر کہیں اور بھی جا سکتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شاید قدرت مجھ سے اور اس سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ ہمارا ہادی ہے۔ اسے دیکھ کر وہ خواب ایک بار پھر میری آنکھوں میں اتر آیا ہے، جو میں نے اپنے ہادی کے لیے دیکھا تھا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا بیٹا آگیا تھا۔ وہ کیسے کس طرح اچانک ان کی زندگیوں سے نکل گیا تھا۔

"پھر بھی فاطمہ! میں ایک بار حبیب بھائی سے ضرور ملوں گا، میں نے ایک لمحہ کے لیے بھی اسے اپنے خاندان سے جدا کرنے کا نہیں سوچا، لیکن اگر انہیں اس کی ضرورت نہیں۔ وہ عورت اسے رکھنے کو تیار نہیں تو میں اسے حبیب بھائی سے مانگ لوں گا۔ تب کیا تم اسے اپنے ہادی کی جگہ دے سکوگی پیار کر سکوگی؟"

"یہ اتنا معصوم اور پیارا ہے۔ اس سے کون پیار نہیں کرے گا۔ بڑی بد نصیب ہے وہ عورت جس نے اس ہیرے کو ٹھکرا دیا ہے۔"

فاطمہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو وہ مطمئن سے ہو گئے تھے اور لاؤنج میں خاموش بیٹھے ہادی کو گڑیا بہت شوق اور اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔

"تم اب یہاں ہی رہوگے نا ہمارے گھر؟"

"پتا نہیں۔" اس نے اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا۔ جو اسے خود سے تھوڑی بڑی لگی تھی اور جس کے بال مشاعل کی طرح کٹے ہوئے نہیں تھے بلکہ اس نے دو موٹی موٹی چوٹیاں بنا رکھی تھیں۔

"تم کس کلاس میں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ففتھ میں....."

"اور میں سکس میں ہوں۔" اس نے بتایا۔

تب ہی محی الدین کمرے سے نکلے۔

"بیٹا! بھائی کو آرام کرنے دو۔ وہ ابھی بیماری سے اٹھا ہے اور کمزور ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔ مجھے ویسے بھی ہوم ورک کرنا ہے۔"

اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے وہ

مشاعل کی طرح لگی مہربان اور ہمدرد سی۔ وہ اس کا بہت خیال رکھنے لگی تھی۔ اسکول سے آکر اس سے اپنے اسکول کی باتیں کرتی۔ کبھی کبھی اپنے اسکول کی کینٹین سے اس کے لیے چاکلیٹ لے کر آتی۔ اس کے لیے دعا کرتی کہ وہ جلد ٹھیک ہو کر اس کے ساتھ اسکول جانے لگے۔ فاطمہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کا بھائی ہے اور اب ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا اور پھر کئی دن گزر گئے۔ وہ ہولے ہولے صحت مند ہونے لگا۔ رخساروں پر سرخی دوڑنے لگی۔

محی الدین اور فاطمہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ فاطمہ تو اسے بہت چاہنے لگی تھیں، لیکن وہ پھر بھی بے چین سا رہتا اور دن میں ایک بار گھر ضرور فون کرتا تھا۔ لیکن کبھی مشاعل کی ممی فون اٹھاتیں اور کبھی مینو۔ جب بھی مینو فون اٹھاتی وہ پاپا کے متعلق ضرور پوچھتا۔ لیکن ہر روز یہی جواب ملتا کہ وہ ابھی تک کراچی سے نہیں آئے۔

"وہ اتنے زیادہ دنوں کے لیے کبھی کراچی نہیں گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ ٹھہرتے تھے وہاں۔"

اس روز فون پر مینو سے بات کرنے کے بعد اس نے محی الدین کو بتایا تھا۔

"مجھے لگتا ہے مینو جھوٹ بول رہی ہے۔ اسے یقیناً" مشاعل کی ممی نے منع کر دیا ہوگا۔"

لیکن محی الدین کو پھر بھی ان کے فون کا انتظار تھا۔ جبکہ وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مایوس ہوتا جارہا تھا۔

"لیکن اگر وہ آجاتے تو تمہارا معلوم کرنے کے لیے ایک بار تو فون کرتے۔ میں اپنا فون نمبر دے آیا تھا۔ وہ کسی وجہ سے نہیں آسکے ہوں گے۔" انہوں نے اسے تسلی دی۔

"نہیں۔ پاپا نے کہا تھا تم میرے لیے مر گئے ہو۔"

اور وہ ان کے لیے مر ہی تو گیا تھا، تب ہی تو انہوں نے فون نہیں کیا تھا۔

"بابا! آپ بھائی کو کب اسکول میں داخل کروائیں گے۔ اب تو یہ بالکل ٹھیک ہوگیا ہے۔" گڑیا کو اس کی پڑھائی کی بہت فکر تھی۔ ناشتا کرتے ہوئے اس روز اچانک گڑیا نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے اب اسے اسکول داخل کروا دیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن ایک بار مجھے حبیب بھائی سے بات کرنی ہے۔" انہوں نے گڑیا کی بات کا جواب دینے کے بجائے فاطمہ کی طرف دیکھا، جو آملیٹ اس کی پلیٹ میں رکھ رہی تھیں۔

"بیٹا! یہ تھوڑا سا کھالو۔ تم تو کچھ بھی نہیں کھا رہے ہو۔" اور وہ جو گڑیا اور محی الدین کی طرف متوجہ تھا، چونک کر کھانے لگا۔

"فاطمہ! کیا خیال ہے تمہارا۔ کل میں گاؤں نہ چلا جاؤں اور خود جا کر حبیب بھائی کا پتا کروں۔" انہوں نے فاطمہ سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اس کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ گڑیا صحیح کہہ رہی ہے۔ کوئی فیصلہ ہو جائے تو بچہ اطمینان سے پڑھائی کرے۔"

اور دوسرے ہی دن وہ ہادی کو ساتھ لے کر اس کے گاؤں پہنچ گئے۔ گیٹ مینو نے کھولا تھا اور پوچھنے پر بتایا کہ صاحب تو دبئی چلے گئے ہیں۔

"تو مینو! تم نے پاپا کو میرا نہیں بتایا۔ میں روز فون کرتا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"وہ۔" تب ہی اندرونی گیٹ کھلا اور مشاعل کی ممی گیٹ سے باہر آئیں۔ مینو نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مشاعل کی ممی ادھر ہی آرہی تھیں۔

"ہاں جی بتایا تھا۔ لیکن وہ صاحب نے کہا وہ کسی ہادی کو نہیں جانتے۔" مشاعل کی ممی قریب آگئی تھیں۔ "جی وہ کہتے ہیں ہادی نام کا کوئی بیٹا نہیں ہے ان کا۔"

مینو نے ایک معذرت کرتی نظر ہادی پر ڈالی اور پیچھے ہٹ گئی۔ مشاعل کی ممی نے مینو کو اندر جانے کے لیے کہا۔ ان کے چہرے سے جھلکتی مکاری کو محی الدین نے ناگواری سے دیکھا۔ مشاعل کی ممی نے ایک نفرت بھری نظر ہادی پر ڈالی اور پھر محی الدین کی طرف دیکھا۔

"آپ اسے پھر یہاں لے آئے ہیں۔ میں آپ کو

بتا چکی ہوں یہ ہمارے لیے مر چکا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں چور اُچکا اور پورا بدمعاش ہے یہ۔"

اس کی فرد جرم میں کئی اضافے ہو چکے تھے۔

"لیکن میں اس کے والد سے ملنا چاہتا ہوں۔" محی الدین نے جواباً کہا۔

"تو دبئی چلے جائیں۔ مل آئیں اس کے والد سے۔" مشاعل کی ممی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"ان کا کوئی رابطہ نمبر تو ہوگا نا۔ پلیز، مجھے دے دیں میں ان سے بات کرلوں گا۔" انہوں نے التجا کی۔

"کوئی نمبر نہیں ہے میرے پاس اور آپ خوامخواہ گارجین نہ بنیں۔ اس کا باپ اسے عاق کرچکا ہے۔ اپنی ہر چیز سے بے دخل کردیا ہے اس نے اسے۔ آپ اسے اپنی مرضی سے لے کر گئے تھے۔ اس سے کوئی مسئلہ ہے آپ کو تو چھوڑ دیں یہاں۔ میں اسے کسی یتیم خانے میں بھجوا دیتی ہوں۔ اس سے زیادہ ہمدردی کی مجھ سے توقع نہ رکھیں۔"

انہوں نے ایک غصیلی نظر ہادی پر ڈالی۔

"نہیں۔" انہوں نے ایک دم اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت محسوس کی۔

"یا اللہ! میں نے پوری کوشش کی اس بچے کو اس کے وارثوں تک پہنچانے کی، لیکن یہ لعل اگر تو نے میری ہی جھولی میں ڈال دیا ہے تو اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گا۔"

"بابا! چلیں!" ہادی نے آہستگی سے کہا۔

انہوں نے ایک نظر گیٹ پر ہاتھ رکھے اپنی طرف دیکھتی مشاعل کی ممی کی طرف دیکھا اور ایک گہرا سانس لے کر ہادی پر نظر ڈالی۔ جو اب کھلے گیٹ سے برآمدے میں کھڑی مینو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے پاپا نے اسے عاق کردیا۔ وہ کسی ہادی کو نہیں جانتے تھے۔ مینو کو بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی اور مینو تو......

مشاعل کی ممی کھٹ کھٹ کرتی واپس جارہی تھیں۔ اور مینو گیٹ بند کرنے کے لیے سیڑھیاں اتر کر گیٹ کی طرف آرہی تھی۔ اور سن روم کی کھڑکی کھولے مشاعل اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مینو!" اس نے مینو کے قریب آنے پر گھٹی گھٹی آواز میں بابا کے متعلق پوچھنا چاہا۔

"ہادی بھائی! تم چلے جاؤ۔ دیکھو تمہاری صحت کتنی اچھی ہوگئی ہے۔ یہاں تو بیگم صاحب تمہیں مار ہی ڈالیں گی۔ صاحب سچ مچ دبئی چلے گئے ہیں۔ اور یہ صاحب اچھے ہیں۔"

تیز تیز بولتے ہوئے اس نے جلدی سے گیٹ بند کردیا۔ اس روز صرف گیٹ ہی بند نہیں ہوا تھا۔ ہادی کی زندگی کا ایک باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا تھا۔ وہ اس گھر کو آخری بار دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی لیکن اس نے محی الدین کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دہرایا۔

"چلیں بابا گھر۔" وہ انہیں گڑیا کی طرح بابا ہی کہنے لگا تھا۔

اسے آج کے بعد یہاں کبھی نہیں آنا تھا اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے اب ہمیشہ گڑیا۔ بابا اور فاطمہ کے ساتھ رہنا تھا۔ اس رات مشاعل کی ممی نے اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ خالی ہاتھ اس کی کتابیں، کپڑے کھلونے سب کچھ یہاں ہی رہ گیا تھا۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے کمرے میں جاکر سب کچھ لے آئے، لیکن وہ جانتا تھا مشاعل کی ممی اسے اندر نہیں گھسنے دیں گی۔

"تمہارے پاپا کے کوئی دوست تو ہوں گے یہاں۔ تم جانتے ہو کسی کو۔" انہوں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مجھے کسی کا گھر معلوم نہیں ہے۔ ان کے ایک دو دوست گھر آیا کرتے تھے لیکن مجھے کسی کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔"

اس نے بتایا تو انہوں نے تسلی دی۔

"تم فکر مت کرو ہادی! میں پھر بھی معلوم کرتا رہوں گا۔ یہاں ایک دو جاننے والے ہیں ان سے کہہ جاؤں گا۔"

"نہیں بابا! اب مجھے یہاں نہیں آنا۔ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ آپ کا بیٹا بن کر۔" انہوں نے خوشی بھری حیرت سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے تو چلو تمہارے اسکول چل کر تمہارا سرٹیفکیٹ لے لیں۔"

اور پھر اس کا سرٹیفکیٹ لے کر وہ لاہور واپس آگئے۔ وہ گھر، وہ شہر ہمیشہ کے لیے اس سے چھوٹ گیا۔ اب ایک نئی زندگی تھی، نیا گھر اور نئے لوگ۔ اماں، بابا اور گڑیا اب اس کی زندگی کا محور تھے۔

محی الدین نے اسے گڑیا کے اسکول میں ہی داخل کروادیا تھا۔ ام کلثوم کا ہادی وہاں اسی شہر میں مر گیا تھا۔ اب وہ محی الدین اور فاطمہ کا شہزادہ تھا۔ فاطمہ اسے ہادی کہہ کر نہیں بلاتی تھیں، بلکہ اس نام سے پکارتیں جو اس کی دادی نے رکھا تھا اور جو اس کے اسکول کے سرٹیفکیٹ میں لکھا تھا۔

"اسے ہادی نہ بلایا کریں۔ جب آپ اسی ہادی بلاتے ہیں تو ہمارا ہادی میرے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ مجھے وہم آتا ہے کہ کہیں ہادی ہم سے پھر نہ بچھڑ جائے۔"

ایک روز فاطمہ نے محی الدین سے کہا۔ اور ہولے ہولے ہادی پس منظر میں چلا گیا۔ وہ فاطمہ کا شہزادہ تھا تو گڑیا کا چاند بھیا۔ اور محی الدین کا لاڈلا چاند۔

وہ اور گڑیا اکٹھے اسکول جانے لگے تھے۔ گڑیا اکثر ہوم ورک میں اس کی مدد کردیتی تھی۔ وہ بے حد خاموش رہتا تھا۔ بہت سارے دن محی الدین غور کرتے رہے پھر ایک روز وہ اسے ماڈل ٹاؤن میں ہی ایک فٹ بال کلب میں لے گئے۔

"یہ آج سے پہلے کبھی نہیں کھیلا لیکن اسے فٹ بال سے عشق ہے۔" انہوں نے کلب کے منیجر سے کہا۔

"ظاہر ہے یہ تمہارا بیٹا ہے اسے فٹ بال سے عشق کیوں نہ ہوگا لیکن تم اسے اب لائے ہو جبکہ ہادی کو تم سات سال کی عمر میں لائے تھے۔"

کلب منیجر محی الدین کا دوست تھا۔

وہ دیر تک عبدالہادی کے متعلق باتیں کرتے رہے اور وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس رات محی الدین نے تفصیل سے اسے بتایا۔

"تمہارا ماموں عبدالہادی میرا بہت اچھا دوست تھا۔ ہم دونوں فٹ بال کے عاشق تھے۔ اور یہ عشق ہمیں ورثے میں ملا تھا۔ کیونکہ اپنے زمانے میں ہم دونوں کے والد بھی فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ ہم دونوں ایک ہی محلے میں کھیل کود کر بڑے ہوئے تھے۔ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے اور فٹ بال کے بڑے پلیئر بننے کے خواب دیکھتے تھے، جن دنوں ہم فٹ بال کھیل رہے تھے پاکستان میں فٹ بال ختم ہوتا جارہا تھا۔ مطلب کہ فٹ بال کا کوئی اسکوپ نہ تھا۔ کالج میں آتے ہی ہادی ہاکی کھیلنے لگا تھا۔ لیکن میں فٹ بال سے ہی وابستہ رہا اور ایگل فٹ بال کلب کی طرف سے کھیلتا تھا، یہ میچز ضلعی سطح پر ہوتے تھے۔ ہادی کے جانے کے بعد میں لاہور آگیا۔ اس کے بغیر وہ شہر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ پڑھائی مکمل کرکے میں نے بینک میں جاب کرلی۔ اور شام کے وقت ایک فٹ بال کلب میں جانے لگا، جہاں بچوں کو کوچ کرتا تھا۔ پھر اللہ نے مجھے بیٹا دیا۔ میں نے اس کا نام عبدالہادی رکھا۔

جب ہادی آٹھ سال کا ہوا تو میں انگلینڈ شفٹ ہوگیا کیونکہ میں ہادی کے لیے جو خواب دیکھ رہا تھا اس کی تکمیل پاکستان میں ممکن نہ تھی۔ ہادی تمہارے ماموں کی طرح پیدائشی اسٹرائیکر تھا۔ بہت جلد اسے کم عمر کھلاڑیوں کے کلب میں لے لیا گیا۔ فوراً بعد وہ آرسنل کلب میں چلا گیا۔ اور جلد ہی انڈر سکسٹین کا حصہ بن گیا۔ وہ اپنی ٹیم کا سب سے کم عمر کھلاڑی تھا۔ انگلش کلب آرسنل کا منیجر اس سے بہت پُرامید تھا۔ وہ مجھ سے اکثر کہتا تھا، تمہارا بیٹا بہت جلد فٹ بال کے آسمان پر چھانے والا ہے لیکن وہ سب کی امیدیں توڑ کر چلا گیا۔ ہمیں تو کبھی پتا ہی نہیں چلا کہ اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ وہ تو بچپن سے ہی بہت ایکٹو تھا اور اب بھی وہ میرے خوابوں میں ہاتھوں میں بال لیے بھاگ رہا تھا اور مانچسٹر یونائیٹڈ میں شامل ہونے کے لیے ان تھک محنت کررہا تھا۔ اس نے کبھی کسی تکلیف کا

اظہار نہیں کیا تھا ایک کلب مقابلے میں۔"

وہ ذرا سا سانس لینے کے لیے رکے اور پھر چند لمحوں بعد بولے تو ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"وہ ایک حیرت انگیز شاٹ تھا۔ اسے کارنر کک لگانی تھی۔ سب کی نظریں اس پر تھیں۔ میں نے اسے چیتے کی سی رفتار سے دوڑتے بجست لگاتے، پیر اٹھاتے گیند کو ٹھوکر لگاتے دیکھا۔ بال فضا میں بلند ہوا۔ مخالف کھلاڑیوں کے سر سے گزرتے ہوئے اس نے حیرت انگیز موڑ کاٹا اور بال نیٹ میں پہنچ چکا تھا۔ گراؤنڈ تالیوں، شور اور سیٹیوں سے گونج رہا تھا۔ انگلش کلب آرسنل میچ جیت چکا تھا اور وہ زمین پر اوندھا گرا ہوا تھا۔ اس کے کوچ آرنلڈ نے جب دیکھا کہ وہ گرنے کے بعد اٹھا ہی نہیں تو وہ دوڑ کر اس تک گیا لیکن سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ اس کے ٹیم کے کھلاڑی اس کے نام کے نعرے لگا رہے تھے لیکن اس کا دل بند ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے بتایا۔

لیکن ہمیں کبھی پتا ہی نہیں چلا اور وہ سارے خوابوں کو آنکھوں میں لیے چلا گیا۔ ہمیں تنہا اور اکیلا کر گیا۔ وہاں لندن میں میرا دم گھٹنے لگا تو ہم واپس آ گئے۔" محی الدین کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"ہر سال اس کی برسی پر ہم لندن جاتے ہیں اور اس کی قبر پر ڈھیروں پھولوں کے گل دستے پڑے ہوتے ہیں۔ یہ سب پھول اس کے آرسنل کلب کے دوستوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔"

"بابا!" اس نے بے اختیار ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "میں آپ کا خواب پورا کروں گا۔ عبدالہادی اتنی ہی عمر لے کر آیا تھا۔ مجھے اگر اللہ نے زندگی دی تو ایک دن میں مانچسٹر یونائیٹڈ کی جرسی ضرور پہنوں گا۔"

"تم"

انہوں نے آنسو پونچھ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جو اتنا کم گو تھا آج اس نے اتنی لمبی بات کی تھی اور ایسی بات...

"ہاں بابا! میں..." وہ مسکرایا۔

"ہاں تم..." ان کے اندر جیسے کسی یقین کا دیا جلا اور انہوں نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔

"لیکن میں..." اس نے اپنے ہاتھوں کو پھیلایا، اپنی انگلیوں کو دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"میں آپ کے خواب پورے کرنا چاہتا ہوں بابا! وہ سارے خواب جو آپ نے عبدالہادی کے لیے دیکھے، لیکن کیا میں کر سکوں گا بابا! میرے ہاتھ... میرے ہاتھ بہت کمزور ہیں بابا۔" وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

محی الدین نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بہت دیر دیکھتے رہے۔ بظاہر تو ان ہاتھوں میں خرابی نہیں تھی۔

"تمہارے ہاتھوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے بیٹا!"

"میرے ہاتھ..." وہ کھو سا گیا۔

اس رات بابا گھر پر نہیں تھے اور وہ کچن سے اپنے لیے پانی لینے گیا تھا۔ مشاعل کی ممی بھی کچن میں تھیں اور یہ دو سال پہلے کی بات تھی۔ اس نے فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی تھی اور ابھی مڑا ہی تھا کہ وہ دھاڑی تھیں۔

"ہر وقت فریج میں گھسے رہتے ہو، تمہارے پیٹ کی بھوک ہی ختم نہیں ہوتی۔"

اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے اور بوتل اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ وہ مشاعل کی ممی سے بہت خوف زدہ رہتا تھا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا گرم کفگیر اس کے ہاتھوں پر مارا تھا۔ اس کی سسکی نکل گئی تھی۔

"وہ... میں تو پانی..." اس کے لبوں سے بمشکل نکلا تھا۔

"زبان چلاتا ہے مجھ سے۔" اور پھر وہ اندھا دھند اس کے ہاتھوں، بازوؤں پر کفگیر برسانے لگی تھیں اور جانے کب تک برساتی رہتیں۔ اگر مشاعل آ کر انہیں مخاطب نہ کر لیتی۔

"ممی! میرے پیٹ میں سخت درد ہے۔" وہ رو رہی تھی۔

اور وہ کفگیر سنک میں پھینک کر اسے لے کر باہر چلی گئی تھیں اور پھر اس روز کے بعد اکثر چیزیں اس کے ہاتھ سے گرنے لگی تھیں۔ کبھی گلاس، کبھی پلیٹ۔ وہ کسی بھی چیز پر اپنی گرفت قائم نہیں رکھ سکتا تھا اور ہر بار جب کوئی چیز ٹوٹتی، مشاعل کی ممی اسے بے تحاشا مارتی تھیں۔ اس کے ہاتھ اور انگلیاں اکثر سوجی رہتی تھیں۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور وہ اٹک اٹک کر بتا رہا تھا۔

محی الدین نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے اور مسکرائے وہ سمجھ گئے تھے کہ اس کے مسائل جسمانی نہیں، نفسیاتی ہیں۔

"تمہارے ہاتھ ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ اور تم ضرور میرا خواب پورا کرو گے۔ ایک دن آئے گا جب میں اولڈ ٹریفڈ کے گراؤنڈ میں اپنے ہادی کو مانچسٹر یونائیٹڈ کی جرسی میں دیکھوں گا۔"

"بابا..." اس نے سر اٹھا کر ڈبڈبائی آنکھوں سے محی الدین کی طرف دیکھا اور اس کی نظریں محی الدین کے پیچھے کھڑی فاطمہ پر پڑیں جن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جانے کب وہ وہاں آئی تھیں، اسے پتا نہیں چلا تھا۔

"کیسی ظالم عورت ہے وہ گڑیا کے بابا!"

وہ پیچھے سے ہٹ کر سامنے آ گئیں اور اسے اپنے لپٹائے بہت دیر تک اس کے ہاتھ چومتی رہیں۔

"سن لیں گڑیا کے بابا! میں نے اسے اب کبھی نہیں بھیجنا۔ اس ظالم عورت کے پاس۔"

انہوں نے اسے بھینچ لیا اور وہ بھی ان کے ساتھ چمٹ گیا۔ اسے ان کے لمس میں ماما کے لمس کی خوشبو آ رہی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے ماما نے اسے چمٹا رکھا ہو۔

اس رات محی الدین نے بڑے بڑے فیصلے کیے تھے، لیکن پہلے اس کا علاج ضروری تھا۔ انہوں نے اگلے دن ہی ایک بہت اچھے سائیکاٹرسٹ سے رابطہ کیا اور پھر اس کے سیشن شروع ہو گئے تھے۔ اس کی اسپیچ تھیوری بھی ہو رہی تھی۔ محی الدین چاہتے تھے کہ وہ پورے اعتماد کے ساتھ بات کرے۔ کیونکہ اس کے لیے انہوں نے جو فیصلے کیے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ اس میں اعتماد ہو۔ پڑھائی میں گڑیا اس کی مدد کرتی۔ شام کو باقاعدگی سے وہ اسے فٹ بال کلب لے کر جاتے۔ وہ خود اس کی کوچنگ کر رہے تھے۔ چیزیں یہاں بھی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتی تھیں، لیکن یہاں کوئی اس سے خفا نہیں ہوتا تھا۔ مارتا نہیں تھا۔

اسکول میں اردو، انگلش تقریری مقابلے ہو رہے تھے۔ گڑیا ہر سال حصہ لیتی تھی۔ اس سال اس نے محی الدین سے کہہ کر اس کے لیے بھی تقریر لکھوائی۔

"تمہیں بھی مباحثے میں حصہ لینا ہے، میں نے تمہارے لیے بھی بابا سے تقریر لکھوالی ہے، اسے یاد کر لو۔"

"نہیں بھلا میں کیسے... نہیں۔" وہ پریشان سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ "میں نہیں کر سکتا گڑیا... میں نے کبھی نہیں کی۔"

"لیکن ہادی بھائی ہمیشہ فرسٹ پرائز لیتے تھے اور تمہیں بھی فرسٹ پرائز لینا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"لیکن میں اتنی لمبی تقریر... نہیں میں اٹک جاؤں گا۔ لوگ ہنسیں گے۔"

"نہیں... تم نہیں اٹکو گے۔" گڑیا کو یقین تھا۔

"تمہیں خود — اندازہ نہیں ہے کہ اب تم بات کرتے ہوئے نہیں اٹکتے۔ کبھی کبھار بس... میں تمہیں خود تیاری کرواؤں گی۔ میں نے تمہارا نام ٹیچر کو دے دیا تھا اور اگر اب تم نے حصہ نہ لیا تو مجھے شرمندگی ہو گی۔"

اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ گڑیا کو اس کی وجہ سے شرمندگی ہو۔ سو وہ تیاری کرنے لگا۔ گڑیا خود اسے تیاری کروا رہی تھی۔ ایک ایک لفظ کی ادائیگی، ایکشن، اسٹائل سب ہی کچھ بتاتی، لیکن پھر بھی وہ گھبرایا ہوا تھا۔

"تمہارے سامنے میں تقریر کر لیتا ہوں گڑیا! لیکن وہاں پورے اسکول کے سامنے نہیں بول پاؤں گا۔"

"تم بول پاؤ گے اور فرسٹ پرائز تمہیں ہی جیتنا ہے۔"

اور اب یہ گڑیا کا یقین تھا' اس کی محنت تھی یا اللہ کا کرم کہ وہ فرسٹ آگیا تھا۔

جب وہ روسٹرم کے سامنے کھڑا ہوا تو اسے لگا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے گا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور ہاتھوں میں پسینہ آرہا تھا۔ ٹانگوں میں ہلکی لرزش تھی' لیکن پھر گڑیا کا مایوس چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اگر میں تقریر نہ کرسکا تو وہ کتنی ہرٹ ہوگی۔ کتنا دکھ ہوگا اسے۔ اس کا یقین ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کا یقین نہیں ٹوٹا تھا۔ جب وہ اسٹیج سے اتر کر اپنی نشست کی طرف بڑھا تھا تو سب سے پہلے گڑیا نے اسے مبارک باد دی تھی۔ اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔

اس روز سب بہت خوش تھے اور محی الدین انہیں باہر کھانا کھلانے لے گئے تھے۔ محی الدین اس روز بہت مطمئن تھے۔ ڈاکٹر احمر نے بھی آج صبح ہی بتایا تھا کہ اب اسے مزید سٹنگ کی ضرورت نہیں ہے اور کلب کے مینجر اور کوچ نے بھی اس کی تعریف کی تھی۔

"آپ کا یہ بیٹا بھی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ مجھے یقین ہے' ایک روز یہ فٹ بال کی دنیا میں نام پیدا کرے گا۔"

اس روز وہ بھی بہت خوش تھا' لیکن رات کو جب وہ بیڈ پر لیٹا تو اسے پاپا بہت یاد آئے' اپنا گھر یاد آیا۔ اس روز اس نے مشاعل کو بھی یاد کیا اور وہ چپکے چپکے بہت دیر تک روتا رہا۔ اس رات اس نے گھر فون بھی کیا تھا' کیا خبر پاپا دبئی سے آگئے ہوں اور کیا پتا وہ بھی مجھے یاد کرتے ہوں گے۔ لیکن کسی نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ اس نے دو' تین بار کوشش کی' لیکن لاحاصل۔

محی الدین اس کے کھیل کی طرف بہت توجہ دے رہے تھے۔ وہ خود بھی کھیلتے ہوئے بہت پُرجوش ہو جاتا تھا۔ اسے لاہور آئے آٹھ ماہ ہو گئے تھے۔ اس روز وہ کلب گئے تو وہاں کے کوچ نے ان سے کہا۔

"یہاں میرے اس کلب میں آنے والے زیادہ بچوں کا اہم کھلاڑی بننا اور فٹ بال میں نام پیدا کرنا نہیں ہے۔ یہ بچے محض تفریح کے لیے اور فٹنس کے لیے آتے ہیں' جبکہ آپ کے بیٹے کے سامنے ایک مقصد ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ اسے کوئی پروفیشنل کلب جوائن کروا دیں۔ دوسری ٹیموں کے ساتھ مقابلے میں اس کی صلاحیتیں ابھریں گی۔"

"آپ کی بات صحیح ہے' لیکن میں نے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔ میرا ارادہ انگلینڈ جانے کا ہے اور اس کے لیے میں کوشش کر رہا ہوں۔" محی الدین نے جواب دیا۔

"یہ تو اور زیادہ اچھی بات ہے' یہ ہیرا وہاں ہی چمکے گا۔" وہ برٹش نیشن تھے' لیکن ہادی ان کا بیٹا نہیں تھا۔ اڈاپٹڈ بچوں کے لیے قوانین بہت سخت تھے۔ انہوں نے انگلینڈ فٹ بال کلب کے ایک مینجر سے بھی جو ان کے دوست تھے' رابطہ کیا تھا۔ لیکن ابھی تک کوئی مثبت صورت حال دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ تاہم وہ ناامید نہیں تھے۔ اس روز وہ کلب سے نکلے تو گیٹ پر ایک بوڑھے نے انہیں روک لیا۔

"تم نے میرا بیٹا دیکھا؟" اس کی آنکھیں خالی خالی سی تھیں اور جسم پر ملگجا سا پھٹا پرانا لباس تھا۔ داڑھی بے ترتیبی سے بڑھی ہوئی تھی۔ آج اسے انہوں نے کئی مہینوں بعد دیکھا تھا۔ حالانکہ پہلے وہ اکثر ماڈل ٹاؤن کے مختلف بلاکوں میں پھرتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ کسی گھر کا دروازہ بھی بجا دیتا اور اپنے بیٹے کے متعلق پوچھتا۔ دس' بارہ سال پہلے اس کا اکلوتا بیٹا گم ہو گیا تھا۔ یا اغوا ہو گیا تھا۔ جب تک بیوی زندہ رہی' دونوں ایک دوسرے کا دکھ بانٹتے رہے' لیکن بیوی کی وفات کے بعد وہ ہولے ہولے ہوش و حواس کھوتا گیا۔ اسے صرف یہ یاد رہ گیا تھا کہ اسے اپنے بیٹے کو ڈھونڈنا ہے' جو کھو گیا ہے۔

"نہیں..." انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" بوڑھا بڑبڑاتا ہوا چلا گیا تو ان کے دل پر بوجھ سا آپڑا۔ اس روز انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ ایک دو لقمے کھا کر اٹھ گئے۔

"آپ کچھ پریشان ہیں؟" فاطمہ کمرے میں آئیں تو پوچھا۔

"ہاں..... میں سوچ رہا ہوں فاطمہ..... ہم کچھ غلط تو نہیں کر رہے۔ ایک پرائے بچے پر قبضہ جما کر بیٹھ گئے ہیں، کہیں بددیانتی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" فاطمہ حیران ہوئی۔

"ہم نے پھر حبیب بھائی سے رابطہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" "آپ نے کئی بار کوشش تو کی ہے۔ خود گئے۔ وہ عورت اسے رکھنا ہی نہیں چاہتی اور باپ کو اس کی فکر ہی نہیں۔"

"کیا پتا فاطمہ! کیا پتا اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد حبیب بھائی اسے یاد کرتے ہوں۔ آخر بیٹا ہے ان کا۔ تڑپتے ہوں اس کے لیے۔ مجھے ایک بار پھر وہاں جانا چاہیے۔ میں کبھی کبھی بے سکون ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ اپنی خوشی سے اسے میرے حوالے کردیں تو میری خوش قسمتی ہوگی۔ وہ عورت کہیں جھوٹ نہ بولتی ہو۔"

"اور اگر انہوں نے اسے لے لیا تو....." فاطمہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"تو....." وہ افسردگی سے مسکرائے۔ "ہم نے ہادی کی جدائی بھی تو برداشت کی ہے۔ اس کی بھی کرلیں گے۔ بہرحال ہمارا اس پر ایسا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ لینا چاہیں تو ہم اسے زبردستی رکھ لیں۔"

"لیکن....." فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ انہیں بالکل اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہو گیا تھا۔ اس کے وجود میں جیسے ان کا عبدالہادی سما گیا تھا۔

انہوں نے فاطمہ کے آنسوؤں سے نظریں چرالیں۔ کیونکہ وہ فیصلہ کرچکے تھے کہ انہیں ہادی کو اس کے باپ کے پاس لے کر جانا ہے۔ سارا دن اس بوڑھے باپ کی خالی خالی آنکھیں ان کے تصور میں آتی رہی تھیں۔

"فاطمہ! میں صبح اسے لے کر جاؤں گا۔ تم میرا بیگ تیار کر دینا اور ایک اس کا بھی سوٹ رکھ دینا۔" انہوں نے سونے سے پہلے فاطمہ کو بتایا۔

اگر فاطمہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی تھی تو وہ بھی سو نہیں سکے تھے۔ اتنا ہی پیارا ہو گیا وہ انہیں اور صبح ناشتا کرتے ہی وہ ہادی کا ہاتھ پکڑ کر اور بیگ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں بابا؟" ہادی حیران تھا۔

"تمہارے گھر....." انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہیں تمہارے پاپا سے ملوانے لے جا رہا ہوں، کیا تمہارا دل نہیں چاہتا اپنے پاپا سے ملنے کو۔"

"دل تو چاہتا ہے لیکن وہ مشاعل کی ممی..... وہ نہیں ملنے دیں گی پاپا سے۔" اس نے فاطمہ کی ڈبڈبائی آنکھوں اور گڑیا کے اداس چہرے کو دیکھا۔

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے بیٹا۔" محی الدین نے نرمی سے کہا۔

"لیکن میں وہاں نہیں رکوں گا۔ میں پاپا سے مل کر واپس آجاؤں گا۔"

"لیکن اگر تمہارے پاپا نے تمہیں روک لیا تو....." انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ ان کی انگلی چھڑا کر دوڑ کر دروازے میں کھڑی فاطمہ سے لپٹ گیا۔

"نہیں مجھے نہیں جانا وہاں، میں یہاں رہوں گا، آپ کے پاس، بابا کے پاس۔"

فاطمہ نے بھی دونوں بازوؤں میں اسے بھینچ لیا۔ محی الدین ہولے ہولے چلتے ہوئے واپس پلٹے۔

"فاطمہ پلیز....." انہوں نے نرمی سے کہا۔

"جذباتی مت بنو، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کا ایک خونی رشتہ موجود ہے۔"

"بابا پلیز....." اس نے سہمی سہمی نظروں سے انہیں دیکھا۔ "میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں میری جان! میں تمہارے پاپا سے بات کروں گا۔ انہیں ساری صورت حال سمجھاؤں گا۔ عبدالہادی مرحوم کا حوالہ دوں گا اور مجھے یقین ہے، تمہاری بہتری کے لیے وہ تمہیں میرے ساتھ آنے دیں گے۔"

"آپ مجھے وہاں چھوڑنے تو نہیں جا رہے نا۔" وہ

ابھی تک فاطمہ سے لگا کھڑا تھا اور اب وہ پہلے جیسا ہادی نہیں تھا جو اپنے دل کی بات نہ کر سکتا تھا۔

"اگر بابا نے تمہیں وہاں چھوڑنا ہوتا تو وہ تمہارے کپڑے، کتابیں سب ساتھ لے کر جاتے، لیکن تمہارا سب سامان تو اندر کمرے میں پڑا ہے نا۔" گڑیا نے سمجھایا۔

"ہاں بیٹا! ابھی تو ہم صرف تمہارے پاپا سے ملنے جا رہے ہیں۔"

انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو وہ فاطمہ کے پاس سے ہٹ کر ان کے پاس آیا۔

"فاطمہ پلیز... اپنے آپ کو سنبھالو۔"

انہوں نے فاطمہ کو تسلی دی، لیکن خود ان کا دل جیسے ڈوب رہا تھا۔ وہ ان کا کوئی نہیں تھا، پھر بھی اس سے بچھڑنے کا خیال سوہان روح بنا ہوا تھا، لیکن نہیں وہ ان کے عزیز از جان دوست عبدالہادی کا بھانجا اور ان کی بہت پیاری بہت عزیز آپا کا بیٹا تھا۔ ام کلثوم نے ہمیشہ انہیں چھوٹے بھائیوں کا سامان دیا تھا۔

اسے محی الدین کی بات کا یقین تھا، لیکن پھر بھی اس نے کئی بار ان سے یقین دہانی چاہی۔

"آپ مجھے واپس لے آئیں گے نا بابا!"

اور ہر بار اسے یقین دلاتے ہوئے ان کا دل ڈوب جاتا۔ راستہ بھر وہ خود کو وضاحتیں دیتے رہے۔ کیا یہ میری خود غرضی تھی کہ میں نے آٹھ ماہ میں پھر حبیب الرحمٰن سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا میں نے بھی اس کی شکل میں اپنا ہادی پا لیا تھا، یا میری کوتاہی ہے کہ میں غافل ہو گیا، مصروف ہو گیا۔

دوپہر ڈھل رہی تھی، جب وہ شہر پہنچے تھے اور پھر ہوٹل میں اپنا بیگ رکھ کر انہوں نے اسے کھانا کھلایا تھا۔ ان کا اپنا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر وہ رکشا لے کر گاؤں آئے تھے اور حبیب الرحمٰن کے گھر کے باہر کھڑے جب وہ بیل دے رہے تھے تو ایک بار پھر وہ ان سے یقین دہانی چاہ رہا تھا۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا بابا! آپ پاپا سے ملوانے کے بعد مجھے واپس لے جائیں گے نا۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"اور اگر آپ نے مجھے یہاں چھوڑ دیا تو اماں اور گڑیا بہت روئیں گی۔"

وہ بہت تیز ہو گیا تھا۔ انہوں نے اس کی اس بات پر مسکرا کر اسے دیکھا اور بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک نوجوان لڑکا باہر آیا۔ یہ لڑکا کون تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے۔ شاید حبیب الرحمٰن کا کوئی سسرالی عزیز ہو۔ لڑکا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے حبیب الرحمٰن صاحب سے ملنا ہے۔"

"لیکن یہاں تو حبیب الرحمٰن صاحب نہیں رہتے۔ دراصل ہم نے پندرہ دن پہلے ہی یہ گھر کرائے پر لیا ہے۔ ایکچوئیلی میرے پپا کی یہاں ٹرانسفر ہوئی ہے۔ دو ماہ پہلے، لیکن گھر ہمیں اب ملا ہے پندرہ دن پہلے تو ہم یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔"

"آپ سے پہلے جو لوگ یہاں رہتے تھے۔ وہ کہاں گئے۔ آپ کو کچھ علم ہے۔"

"جی میرے پپا نے بتایا تھا کہ یہاں جو صاحب رہتے تھے، ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی بیگم اپنے بچوں کے ساتھ میکے جا رہی تھیں۔ پپا کو کسی نے بتایا تھا اور چونکہ وہ مکان کے سلسلے میں پریشان تھے۔ انہوں نے فوراً" ہی یہ گھر کرائے پر لے لیا۔"

لڑکا تفصیل سے بات کرنے کا عادی تھا اور خاصا خوش مزاج بھی۔

"آپ پلیز آئیں، بیٹھیں، کچھ چائے، پانی....."

"نہیں شکریہ بیٹا! آپ کو ان صاحب کا نام پتا ہے۔" ایک موہوم سی امید کے سہارے انہوں نے پوچھا۔

لڑکے نے لحہ بھر سوچا۔

"ہاں پپا! ایک دن ان کا ذکر کر تو رہے تھے کہ رحمٰن صاحب کو وہ پہلے سے جانتے تھے۔ رحمٰن ہی نام لیا تھا انہوں نے۔"

وہ بے حد دکھی دل سے مڑے، انہوں نے ساکت کھڑے ہادی کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور ہونٹ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ مضبوطی سے

اس کا ہاتھ تھامے وہ ہوٹل واپس آ گئے۔ رات انہوں نے ہوٹل میں ہی گزاری تھی۔ ساری رات دونوں نہیں سو سکے تھے۔ اسے پاپا بہت یاد آ رہے تھے۔ آج آخری بار وہ یہاں آیا تھا۔ آج کے بعد اس نے یہاں نہیں آنا تھا۔

گیٹ پر کھڑے اس کا جی چاہا تھا وہ بھاگتا ہوا اندر جائے۔ پاپا کا کمرا دیکھے ' ہر وہ جگہ دیکھے ' جہاں پاپا بیٹھتے تھے۔ چلتے پھرتے تھے ' لیکن وہ خاموشی سے محی الدین کے ساتھ ہوٹل آ گیا تھا اور چپ چاپ بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ وہ جانتے تھے وہ رو رہا ہے ' لیکن انہوں نے اسے رونے دیا۔ بہت دیر تک وہ دیوار کی طرف رخ کیے روتا رہا اور اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ بہت دیر بعد انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ہادی بیٹا!" بہت دنوں بعد آج کسی نے اسے ہادی کہہ کر بلایا تھا۔

"بابا!" وہ پلٹا تو انہوں نے ہاتھ پھیلا دیے۔ وہ یک دم اٹھ کر ان سے لپٹ گیا۔

"پاپا چلے گئے۔ میری بات سنے بغیر۔ مجھے انہیں بتانا تھا کہ میں نے سنی کو نہیں گرایا۔ میں نے کبھی مشاعل کی ممی سے بدتمیزی نہیں کی۔۔۔ پاپا مجھ سے خفا تھے ' ناراض تھے۔ بابا اور میں۔۔۔"

وہ بلک بلک کر رونے لگا اور وہ ہولے ہولے اسے تھپکتے رہے۔ دلاسا دیتے رہے اور خود اندر ہی اندر نادم ہوتے رہے۔ کاش انہوں نے اتنی تاخیر نہ کی ہوتی ' وہ بہت پہلے اسے لے کر آ جاتے تو وہ اپنے باپ سے مل لیتا۔۔۔ لیکن شاید یہی تقدیر میں لکھا تھا۔ انہوں نے صحیح کہا تھا کہ قدرت نے خود اس ہیرے کو ان کی جھولی میں ڈالا ہے اور انہیں اب اس ہیرے کو تراشنا تھا۔

فاطمہ اور گڑیا نے اس کا بہت خیال رکھا۔ ان دنوں اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ جاتے تھے۔ ایک بار چیزیں پھر اس کے ہاتھوں سے گرنے لگی تھیں۔ یہ بہت مشکل وقت تھا لیکن محی الدین فاطمہ اور گڑیا تینوں ہی اس کے کیئر ٹیکر بن گئے تھے۔ وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ اب اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ کوئی اپنا نہیں تھا۔ سوائے سنی کے جو سوتیلا ہی سہی ' لیکن اس کا بھائی تھا۔ دونوں کی رگوں میں ایک ہی شخص کا خون دوڑ رہا تھا۔ لیکن سنی ' وہ جب بڑا ہو گا تو اسے شاید علم بھی نہیں ہو گا کہ اس دنیا میں کہیں کوئی اس کا بھائی بھی ہے یا شاید کبھی مشاعل اسے بتائے کہ وہ ہے اس کا بھائی۔

کبھی کبھی اسے خیال آتا تھا۔

ہو سکتا ہے زندگی کے کسی موڑ پر وہ اپنے بھائی سے مل سکے۔

محی الدین اس کی تربیت کے ساتھ ساتھ باہر جانے کی بھی کوشش کر رہے تھے اور بالآخر وہ کامیاب ہو گئے۔ اس کے لیے وہ فرگوسن کے بھی شکر گزار تھے۔ جو آج بھی عبدالہادی کو یاد کر کے دکھی ہو جاتا تھا۔

"ارے وہ تو میرے اس کلب کے آسمان پر چمکتا چاند تھا۔ کراؤن تھا اس کا۔"

جب بھی فون پر بات ہوتی ' وہ یہ جملہ ضرور دہراتا تھا۔ اور یہ فرگوسن کا خلوص ہی تھا کہ اس نے ان کی مدد کی تھی اور 2001ء کی ایک صبح جب ہیتھرو ایئرپورٹ دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ گڑیا ' ہادی اور فاطمہ کے ساتھ وہاں اترے۔ چار سال پہلے وہ تیرہ سالہ ہادی کو اس سرزمین کی مٹی کے سپرد کر کے چلے گئے تھے اور آج تیرہ سالہ ہادی کے ساتھ انہوں نے پھر یہاں قدم رکھا تھا۔

ان کا بے حد عزیز دوست سیف اللہ جو لندن کے قیام کے دوران انہیں ملا تھا۔ انہیں لینے آیا ہوا تھا۔ سیف اللہ کے پاس چند دن ٹھہر کر انہوں نے اپنا الگ گھر لے لیا تھا۔ انہیں یہاں طویل قیام کرنا تھا۔ سو یہاں آ کر انہوں نے آرام بالکل نہیں کیا تھا۔ اپنے گھر منتقل ہونے کے بعد دوسرا کام جاب تلاش کرنا تھا۔ یہاں فرگوسن نے ان کی مدد کی تھی اور جلد ہی انہیں جاب مل گئی تھی۔ تیسرا کام بچوں کے ایڈمیشن کا تھا اور ایڈمیشن کے بعد وہ اسے آرسنل کلب میں لے گئے

تھے ' جہاں فرگوسن ان کا منتظر تھا۔ اس نے ٹرائل لینے کے بعد تبصرہ کیا۔

"اس کی تکنیک متاثر کن ہے تمہارے بڑے بیٹے ہادی کی طرح۔۔۔ اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔"

فرگوسن کے تبصرے نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ بڑے دنوں بعد وہ پرسکون نیند سوئے تھے۔

ہادی کی زندگی کا اب ایک اور دور شروع ہو گیا تھا۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ کھیل رہا تھا۔ اس کا کوچ اس سے مطمئن تھا اور گزرتے دن کے ساتھ فٹ بال سے اس کا لگاؤ ' محبت ' بلکہ عشق میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ فارغ ہوتا تو پہلے ' میرا ڈونا ' ڈیوڈ بیکھم ' ڈین وغیرہ کے میچز کی سی ڈیز دیکھتا۔ اس کی نگاہ ان کی ہر ہر حرکت پر ہوتی تھی۔ اس نے ان کا ہر میچ سینکڑوں بار دیکھا تھا۔ ان دنوں کم عمر کھلاڑیوں میں رونالڈو کا نام سنا جا رہا تھا ' جو مانچسٹر کلب کی طرف سے کھیل رہا تھا۔ لوگ اس کم عمر کھلاڑی کے عاشق تھے۔

ہادی بھی اپنے کلب کی طرف سے ٹوٹینہم سوسٹر پریمیر لیگ کے درمیان ہونے والے مقابلوں میں حصہ لے رہا تھا اور جب 2004-2003ء کا انگلش سیزن شروع ہوا تو لوگ اس کا نام جاننے لگے تھے۔ اخبارات میں اس کے متعلق لکھا بھی جانے لگا تھا۔ تاہم کچھ تعصب بھی پایا جاتا تھا ' جس کی وجہ سے اس کی صلاحیتوں کا کھل کر اعتراف نہیں کیا جا رہا تھا تاہم محی الدین نے اسے تسلی دی تھی کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کر لیں گے۔

ان دنوں اس نے اولڈ ٹریفڈ تک سینکڑوں بار سفر کیا تھا اور میچ دیکھتے ہوئے وہ گردوپیش سے یوں ہی بے خبر ہو جاتا تھا جیسے ایگل کلب کے گراؤنڈ کے باہر بیٹھے بیٹھے۔

وہ اولڈ ٹریفڈ کے اسٹیڈیم میں بیٹھ کر صرف خواب ہی نہیں دیکھتا تھا بلکہ ان تھک محنت بھی کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا ' ایک دن آئے گا جب لوگ اسے بھی ڈیوڈ بیکھم ' جارج بریان اور روبنسن کی طرح جاننے لگیں گے۔ محی الدین اور فاطمہ جہاں ہر لمحہ اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے ' وہاں گڑیا بھی ایک اچھے دوست کی طرح ہر قدم اس کے ساتھ تھی۔

ہر گزرتا دن اس کے لیے کامیابیوں کے دروازے وا کرتا جا رہا تھا اور ہر رات سونے سے پہلے وہ خود سے عہد کرتا تھا کہ اسے محی الدین کا خواب پورا کرنا ہے اور ہر رات وہ حبیب الرحمن کو یاد کرتا ' اس کے تصور میں ام کلثوم کا سراپا آتا اور چند آنسو آنکھوں کے کونوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہو جاتے۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

خواب سہانا کوئی

نگہت سیما

جوزفین اپنی ماں مارتھا اور باپ پال کے ساتھ پاکستان سے مائیگریٹ کر کے آئی ہے۔ اس کی سگی ماں اس کے باپ کو چھوڑ کر کسی مسلمان سے شادی کر چکی ہے۔ مارتھا اس کی سوتیلی ماں ہے۔ اس کا تعلق گوجرانوالہ کے ایک نیچے درجے کے عیسائی خاندان سے ہے۔ مارتھا چاہتی ہے کہ جوزفین شادی کے بغیر ایلین کے ساتھ رہے۔ جو لندن کا عام دستور ہے‘ لیکن اس کا باپ پال اس بات کو پسند نہیں کرتا‘ کیونکہ وہ ایک پادری کا بیٹا ہے اور اس طرح کے تعلق کو جائز نہیں سمجھتا۔ اس بات کی وجہ سے پال اور مارتھا میں اکثر جھگڑا ہوتا ہے۔ مارتھا‘ جوزفین کو برا بھلا کہہ کر گھر سے نکال دیتی ہے۔ جوزفین گھر کے باہر بیٹھی روتی رہتی ہے۔ جہاں غلام مصطفیٰ اسے اکثر روتے دیکھتا ہے۔ وہ ان کے گھر کے سامنے رہتا ہے اور فٹ بال کا بہترین کھلاڑی ہے۔

ہادی کی ماں کے مرنے کے بعد حبیب الرحمٰن نے زری سے دوسری شادی کی ہے۔ زری ان کے آفس میں کام کرتی تھی۔ زری‘ ہادی سے بے حد نفرت کرتی ہے۔ اس کی پوری کوشش ہے کہ ہادی کو گھر سے نکال دے‘ تاکہ اس کا بیٹا سنی پوری جائیداد کا وارث بن جائے۔ وہ حبیب الرحمٰن سے ہادی کی جھوٹی شکایتیں کرتی ہے۔ ہادی کو نت نئے طریقوں سے اذیت دیتی ہے۔ حبیب الرحمٰن غصہ کے تیز ہیں‘ وہ مشتعل ہو کر اس کی پٹائی کرتے ہیں۔

حبیب الرحمٰن کاروبار کے سلسلے میں دبئی جاتے ہیں تو زری‘ ہادی کو مار کر گھر سے نکال دیتی ہے۔ وہ اس پر الزام لگاتی ہے کہ ہادی نے اس کے بیٹے سنی کو مارا ہے۔ وہ حبیب الرحمٰن سے فون پر شکایت کرتی ہے تو وہ ہادی کو گھر سے نکل جانے کے لیے کہتے ہیں۔ ہادی کی منت سماجت بھی نہیں سنتے۔ مشاعل جو ہادی کی سوتیلی بہن ہے۔ وہ اس سے بہت ہمدردی رکھتی ہے۔ وہ اس کی مدد کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے‘ لیکن زری اسے گھر سے نکال دیتی ہے۔ وہ گھر کی دیوار کے باہر لکھ کر آجاتا ہے ”ابا میں نے سنی کو نہیں مارا۔“

محی الدین‘ ہادی کو اکثر فٹ بال کے میدان میں بیٹھا دیکھ چکے ہیں۔ وہ فٹ بال کلب کے گراؤنڈ میں اسے بے ہوش

مکمل ناول
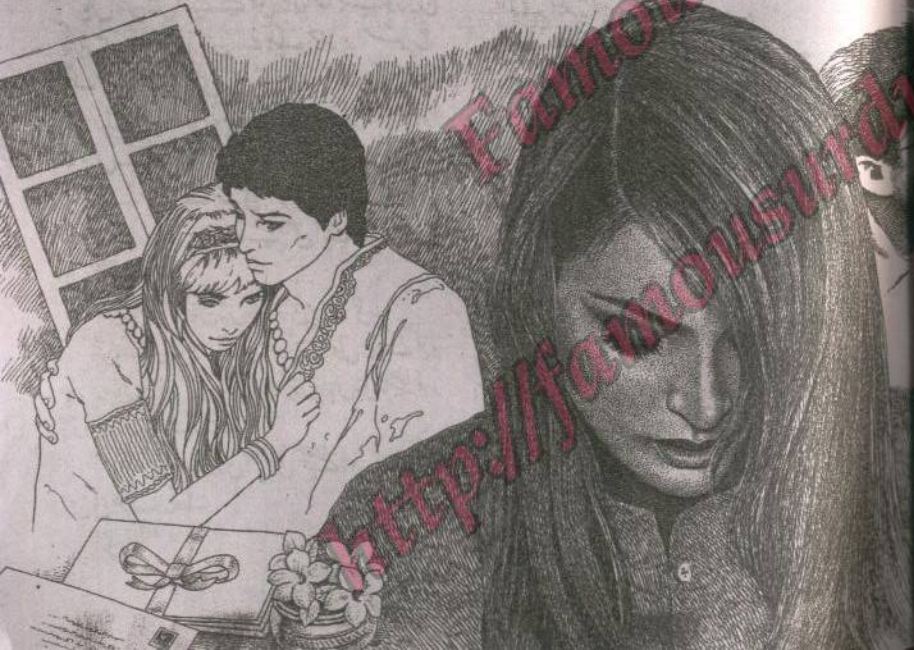
دیکھتے ہیں تو اسے گھر لے جاتے ہیں۔ اسے نمونیہ ہو چکا ہے۔ ہادی چھ دن بعد ہوش میں آتا ہے تو محی الدین کو ساری بات بتاتا ہے۔ محی الدین یہ جان کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ہادی ان کے دوست عبدالهادی کا بھانجا ہے۔ عبدالهادی فٹ بال کے بہترین کھلاڑی تھے اور جوانی میں ہی دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

وہ ہادی کو لے کر اس کے گھر جاتے ہیں، لیکن زری اسے گھر میں گھسنے نہیں دیتی۔ وہ کہتی ہے کہ اگر وہ اس گھر میں آیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دے گی۔ حبیب الرحمن ابھی تک دبئی میں ہیں۔

محی الدین کو واپس لاہور جانا ہوتا ہے۔ وہ مجبوراً واپس آجاتے ہیں۔ وہ گھر کی ملازمہ کو اپنا فون نمبر دے آتے ہیں کہ حبیب الرحمن آئیں تو انہیں یہ نمبر دے دے، لیکن ان کا انتظار، انتظار ہی رہتا ہے۔ حبیب الرحمن نہیں آتے، وہ ہادی کو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ایک بار اور کوشش کرتے ہیں، لیکن زری اسے اپنے گھر میں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ وہ انگلینڈ واپس چلے جاتے ہیں۔ وہ خود فٹ بال کے عاشق ہوتے ہیں۔ ان کا بیٹا آٹھ سال کی عمر میں فٹ بال کا بہترین کھلاڑی ہوتا ہے، لیکن ایک میچ کے دوران گر کر مر چکا ہے۔ وہ ہادی کی پرورش اپنے بیٹے کی طرح کرتے ہیں اور اسے فٹ بال کا بہترین کھلاڑی بنانے کا خواب دیکھتے ہیں۔

لندن آجانے کے بعد بھی وہ ایک بار پھر پاکستان جاتے ہیں لیکن ہادی کے گھر جا کر انہیں پتا چلتا ہے کہ حبیب الرحمن اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

ہادی کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ وہ فٹ بال کا بہترین کھلاڑی بن چکا ہے۔

خوش جمال جو محی الدین کی بیٹی ہے۔ ہادی کی اس سے بہت دوستی ہے۔ خوش جمال کی جوزفین سے بھی دوستی ہو جاتی ہے۔ خوش جمال، جوزفین کو اکثر گھر کے باہر روتا دیکھتی ہے تو اسے بہت افسوس ہوتا ہے۔

دوسری اور آخری قسط

پال کچن میں اپنے لیے کافی بنا رہا تھا، جب جوزفین کچن میں آئی تھی۔ اس نے بلیک جینز پر سرخ لانگ شرٹ پہن رکھی تھی اور بلیک کوٹ کے ساتھ سر پر ریڈ اور بلیک اونی ٹوپی اور گلے میں سیاہ مفلر لٹکا ہوا تھا جس کے سرے اس کے گھٹنوں کو چھو رہے تھے۔

پال نے مڑ کر ایک ستائشی نظر اس پر ڈالی۔

"تم تیار ہو، تمہارے لیے بھی ایک کپ کافی بنا دوں؟"

"یس پلیز!" وہ کچن میں ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

کچن کے ایک کونے میں چھوٹی سی گول میز کے گرد چار کرسیاں پڑی تھیں۔ اکثر وہ تینوں وہاں ہی ناشتہ اور ڈنر وغیرہ کر لیا کرتے تھے۔

"تم خوش تو ہو نا جوزی؟" کافی پھینٹتے ہوئے پال نے اس کی طرف دیکھا۔

"جی پاپا!"

"کوئی پرابلم تو نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور پوچھا۔

"ممی نے آج کام پر نہیں جانا؟"

"معلوم نہیں۔" پال نے کندھے اچکائے۔

جب سے جوزفین نے جاب کی تھی، پال کچھ خاموش رہنے لگا تھا۔ وہ خود سے مارتھا سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ وہ جوزی کی جاب سے خوش نہیں تھا۔ پچھلے تین ہفتوں سے وہ جاب پر جا رہی تھی اور ہر ہفتے کی اجرت وہ مارتھا کے حوالے کر دیتی تھی، جبکہ پال چاہتا تھا کہ وہ پیسے اکٹھے کر کے اپنی پڑھائی شروع کر دے۔ ایک دفعہ ابتدائی اخراجات کے لیے رقم اکٹھی کر لے تو بعد میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ جاب بھی کرتی رہے۔

"آج تمہیں اس ویک کی پے ملے گی جوزی! تو تم اسے مارتھا کو مت دینا۔" پال نے کافی کا کپ اس کی ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

جوزفین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنے لیے کچھ شاپنگ کر لینا، تمہارے دستانے بہت پرانے ہو گئے ہیں۔ وہ بھی خرید لینا۔"

"نہیں تو پاپا! اچھے خاصے ہیں۔" اس نے کوٹ کی جیب سے دستانے نکال کر پال کو دکھائے۔

"وہاں اسٹور پر سب لوگ اچھے ہیں نا؟" وہ ہر روز ایک یا دو بار یہ سوال ضرور کرتا تھا، مارتھا سنتی تو بہت چڑتی تھی۔

"اس کے منہ میں چوسنی ڈال دو اور جھولے میں ڈال کر ہر وقت جھلاتے رہو۔"

مسئلہ جوزفین کی جاب نہیں تھی۔ وہاں پاکستان میں بھی پال کے خاندان کی لڑکیاں جاب کر رہی تھیں۔ کوئی ٹیچر تھی تو کوئی ڈاکٹر اور کوئی نرس، مسئلہ جوزفین کی پڑھائی تھی۔ وہ اسے ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا، لیکن وہ اسے پڑھا نہیں سکتا تھا۔

"کاش تمہیں جاب نہ کرنا پڑتی لیکن خیر..." پال نے اپنے لیے کپ میں کافی ڈال کر جوزفین کی طرف دیکھا اور وہ بات کہہ دی جو کئی دنوں سے سوچ رہا تھا۔

"تم اپنی ساری پے مارتھا کو دینے کے بجائے اپنے پاس جمع کرو، جب کچھ پیسے جمع ہو جائیں تو اسکول میں ایڈمیشن لے لینا۔"

پال بہت خوش فہم تھا اور جوزفین اسے اس خوش فہمی سے نکالنا نہیں چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے پاپا! جب میرے پاس کچھ رقم اکٹھی ہو جائے گی تو میں ایڈمیشن لے لوں گی۔"

پال خوش ہو گیا اور اپنا کافی کا کپ لے کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اس سنڈے کو کہیں گھومنے کا پروگرام نہ بنا لیں۔"

"نہیں پاپا! خوامخواہ کی فضول خرچی۔"

"وہ دراصل..." پال نے کافی کا کپ منہ سے لگایا۔ وہ جوزفین کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ "وہ مارتھا کہہ رہی تھی ایلین نے انوائٹ کیا ہے۔"

"لیکن پاپا! اس سنڈے کو تو مجھے خوش جمال کی طرف جانا ہے۔ میں نے اس سے پرامس کر رکھا ہے۔"

ان تین ہفتوں میں اس کی خوش جمال سے چار اور مصطفیٰ سے تین ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ اور تین دن پہلے خوش جمال نے اسے اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔ اپنے اماں اور بابا سے ملوانے اور ڈھیر ساری باتیں کرنے کے لیے... خوش جمال ایک بے تکلف اور خوش اخلاق لڑکی تھی اور اسے اچھی لگی تھی... ایلین سے اب اس کی صرف ویک اینڈ پر ہی ملاقات ہوتی تھی۔ کیوں کہ وہ صبح آٹھ بجے تک نکل جاتی تھی اور شام کو پانچ بجے کے بعد آتی تھی۔ اور ایلین جب ویک اینڈ پر آتا تو وہ اس سے اچھی طرح بات کر لیتی۔ کیوں کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ خوامخواہ مارتھا کا موڈ خراب ہو اور مارتھا اس کے رویے سے بہت خوش ہوتی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بدل رہی ہے اور بہت جلد یہاں کے طور طریقے سیکھ لے گی، پھر اسے ایلین کے ساتھ رہنے میں اعتراض نہیں ہو گا۔ اور اس نے ایلین کو بھی اطمینان دلایا تھا کہ تھوڑا وقت دو اسے، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایلین کبھی خالی ہاتھ نہ آتا، پزا، چپس، فنگر فش، جوسز کچھ نہ کچھ ضرور لاتا تھا۔

"تم پہلی بار جا رہی ہو خوش جمال کے گھر۔" پال نے ایک ہی سانس میں اپنی ٹھنڈی ہوتی کافی ختم کی۔

"جی پاپا! پہلے ساری ملاقاتیں تو گھر سے اسٹاپ تک جاتے ہوئے ہوئی تھیں۔ بہت ہی غیر رسمی سی، خوش جمال مجھے بہت اچھی لگی ہے، میں اسے دوست بنانا چاہتی ہوں۔ یہاں میری کوئی بھی دوست نہیں ہے اور وہاں کراچی میں میری اتنی ساری فرینڈز تھیں۔"

"او کے!" پال اٹھ کھڑا ہوا، جوزفین کے لہجے سے جھلکتی اداسی نے اسے دکھی کر دیا تھا۔

"تمہارے لیے کیا ناشتہ بناؤں۔"

"پاپا! میں خود بنا لوں گی۔" وہ شرمندہ ہوئی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں بنانے لگا ہوں۔"

"مارتھا ناراض ہوگی۔ خیر، اس کی تو عادت ہے ناراض ہونے کی۔" پال فریج میں سے انڈے نکال رہا تھا اور اس کی پشت جوزفین کی طرف تھی۔

"پاپا! اگلے سنڈے کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔"

گھر میں اتنے دنوں سے سکون تھا اور وہ مارتھا کو ناراض کرکے یہ سکون برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" پال مطمئن ہوگیا۔ "بلکہ سٹر ڈے ایوننگ میں چلیں گے ڈنر بھی باہر ہی کریں گے۔ اگلے سنڈے کو مجھے مارشل کی طرف جانا ہے اس نے مجھے ایک اور جاب کے متعلق بتایا ہے جہاں سیلری اس سے اچھی ہے۔"

وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹوسٹر آن کرکے سلائس گرم کرنے لگی۔ پال انڈے فرائی کرنے لگا۔

جوزفین نے سلائس ہاٹ پاٹ میں رکھ کر ٹیبل پر رکھے تب ہی مارتھا نے کچن میں قدم رکھا۔ جوزفین نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں ممی!"

جوزفین نے سادگی سے تعریف کی، پال نے بھی مڑ کر ایک ستائشی نظر اس پر ڈالی۔ مارتھا مسکرائی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ پال نے فرائی انڈے ٹیبل پر رکھے اور اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ جوزفین نے فریج سے جیم اور مکھن نکال کر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

تینوں خاموشی سے ناشتا کررہے تھے اور تینوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

پال سوچ رہا تھا، مارتھا اگر لڑائی نہ کرے تو مارتھا بہت اچھی ہے اور خوب صورت بھی تو بہت ہے۔ مارشل کی اس گوری میم سے زیادہ خوب صورت، لیکن جب حلق پھاڑ کر بولتی ہے تو گوجرانوالے کی پہلوان بن جاتی ہے۔ اس کی نظریں بار بار مارتھا کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اور بہت دنوں بعد ایسا ہوا تھا۔ ورنہ تو جب سے مارتھا نے جوزفین کو جاب کے لیے کہا تھا وہ دل ہی دل میں اس سے سخت خفا تھا، لیکن مارتھا پال کی نظروں سے بے نیاز ایلن کے متعلق سوچ رہی تھی۔

ایلن بڑا اچھا لڑکا ہے، بڑے کھلے دل کا، ورنہ یہ گورے تو بڑے بھڑولے ہوتے ہیں، مکھی چوس.... مارشل کی بیوی کی طرح جو چار دن بھی گھر میں رکھ کر کھلا نہیں سکی تھی، اور کیسی کینہ بھری نظروں سے دیکھتی تھی، جب ہم کھانے بیٹھتے تھے نوالے گنتی تھی ہمارے، اور یہ ایلن یہ تو بڑا ہی دل والا ہے۔ یہ جو جوزی ہے نا اگر ذرا سی بھی لچک دکھائے تو ایلی تو تحفوں کی بھرمار کردے۔ سڑا ہوا سا کوٹ پہن کر پھرتی ہے، ذرا پیار سے ایلی سے بات کرلے تو وہ شان دار کوٹ لے دے اسے۔ خیر اب تو جوزی بدل رہی ہے اور کچھ سوشل بھی ہوتی جارہی ہے۔ اگر جو ایلن جوزی سے شادی کرلے تو وارے نیارے ہوجائیں جوزی کے۔ ویسے پال کہتا تو صحیح ہے نا کہ ادھر پاکستان میں تو شادیاں ہوتی ہیں سب کی مسلم ہوں، ہندو ہوں یا کرسچن سب شادیاں کرکے گھر بساتے ہیں، لیکن یہ گورے بڑے ہوشیار ہیں۔ طلاق کی صورت میں نقصان جو ہوتا ہے، بس اسی لیے شادی والا حصہ اپنی زندگیوں سے نکال دیا ہے، بیوی تو مل ہی جاتی ہے جب دل اکتا جائے دھکا دے کر نکال دو، اور دوسری لے آؤ، لیکن ہماری جوزی ایسی نہیں ہے کہ ایلن کا دل بھر جائے۔ یوں بھی ایلن کا دل آیا ہے جوزی پر، اسی لیے تو کہتا ہے کہ میں اگر جوزی کو راضی کرلوں تو وہ مجھے خوش کردے گا۔"

اس نے مسکراتی نظروں سے جوزفین کی طرف دیکھا جو اس کی سوچوں سے بے خبر غلام مصطفیٰ کے متعلق سوچے جارہی تھی۔ کرسمس کی اس رات کے بعد اس نے سینکڑوں بار غلام مصطفیٰ کے متعلق سوچا تھا اور اسے سوچنا اس کے لیے دنیا کا سب سے اہم کام تھا۔ غلام مصطفیٰ۔

گہری سیاہ بھنورا آنکھوں والا غلام مصطفیٰ، پہلے جس کی سیاہ آنکھوں نے اسے متاثر کیا تھا پھر وہ پورے کا پورا اس کے دل میں اتر گیا تھا۔ پتا نہیں غلام مصطفیٰ میں ایسا کیا تھا کہ اس کا جی بار بار اسے دیکھنے کو چاہتا تھا۔

کرسمس کی اس رات کے بعد اس نے سینکڑوں بار جیسز اور پاک مریم سے اس کے دوبارہ ملنے کی دعا کی تھی، اور اس روز وہ مارگریٹ کے ساتھ جاب کا پتا کرنے نکلی تھی۔ مارگریٹ اس کی پڑوسن تھی۔ وہ تقریباً اس کی ہم عمر تھی اور ایک اسٹور پر جاب کرتی تھی، اور فی الحال اکیلی رہ رہی تھی۔ کچھ عرصہ قبل ہی اس کی اپنے پارٹنر سے علیحدگی ہوئی تھی۔ دو دن قبل ہی پارک میں اس کی مارگریٹ سے ملاقات ہوئی تھی اور اس نے جاب کے لیے بات کی تھی اور مارگریٹ نے بتایا تھا کہ اس کے اسٹور پر ایک سیلزگرل کی ضرورت ہے۔ سو وہ اس کے ساتھ اس کے اسٹور کے مالک سے ملنے کے لیے نکلی تھی وہ دونوں ٹیوب اسٹیشن پر کھڑی تھیں، جب اس نے غلام مصطفیٰ کو ڈیوڈ کے ساتھ کھڑے دیکھا تھا وہ نہ جانے کس بات پر ہنس رہا تھا۔ اور ہنستے ہوئے اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ مبہوت سی ہوکر اسے دیکھنے لگی تھی۔ مارگریٹ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور اسے چٹکی بھری۔

"دونوں ہی زبردست ہیں، پر تیری نظریں کس پر ہیں، تاکہ دوسرے کو میں اپنے لیے تاڑلوں۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔ تو وہ پٹپٹا کر اسے دیکھنے لگی۔ مارگریٹ کی عادت تھی، وہ ذرا ذرا سی بات پر اونچے اونچے قہقہے لگاتی تھی اور اکثر پارک میں لوگ چونک چونک کر اسے دیکھنے لگتے تھے۔

"کون سا؟" وہ پھر پوچھ رہی تھی، اس کے ہونٹ ابھی تک تھوڑے کھلے ہوئے تھے۔

"نن... نہیں۔" وہ ہکلائی تھی۔

"دہ... دراصل دونوں فٹ بال کے پلیئرز ہیں۔ میں نے ان کے میچز دیکھے ہیں، اور وہ ایک تو ہمارا پڑوسی ہے۔"

"ارے ہاں یہ تو ڈیوڈ ہے۔ ڈیوڈ کیمرون ڈیوی... آرسنل کلب کا پرنس ڈیوی۔"

مارگریٹ نے وہیں کھڑے کھڑے اسے آواز دی۔

"ڈیوڈ!" اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی طرف چلی گئی۔

وہ دونوں چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے تھے اور پھر مصطفیٰ کی نظریں اس پر پڑی تھیں، اب وہ ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" اس کی نظروں نے جیسے غلام مصطفیٰ کو حصار میں کیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے پوچھا تو وہ مسکرائی۔

"فائن! آپ کیسے ہیں؟"

"فائن!" وہ مسکرایا۔

"خوش جمال کیسی ہیں؟" اب وہ اردو میں بات کررہی تھی۔

"ٹھیک اور خوش۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"اور آپ کے بابا اور مما؟ وہ کیسے ہیں؟"

"بابا اور اماں بھی خوش اور مگن۔"

اور وہ سوچنے لگی کہ اب وہ کیا بات کرے مصطفیٰ سے، وہ جو ہر روز اس سے ملنے کی دعا مانگ کر سوتی تھی۔ آج وہ ملا تھا تو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پتا نہیں اس کے گھر میں ان کے علاوہ بھی کوئی اور ہے یا نہیں۔ خوش جمال نے یا شاید مصطفیٰ نے ہی بتایا تھا کہ ان کے گھر میں وہ چاروں ہی ہیں۔

"ہمارے گھر میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جن کی خیریت آپ معلوم کریں۔"

وہ جیسے اس کے دل کو پڑھ رہا تھا وہ جھینپ گئی۔

"ویسے اچھی لڑکی! جب کسی لڑکے سے اور وہ بھی مجھ جیسے ہینڈسم لڑکے سے ملتے ہیں تو صرف فیملی کی خیر خیریت نہیں پوچھتے، کوئی اور بات بھی کرلیتے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں گہری شرارت تھی۔ اس کے رخسار گل رنگ ہوگئے تھے۔ تب ہی مارگریٹ اسی طرح بھاگتی ہوئی واپس آئی اور اس نے بازو پھیلا کر اپنی کلائی اسے دکھائی۔ جس پر موٹے مارکر سے ڈیوڈ نے اپنے دستخط کیے تھے۔

"لیکن جب تم ہاتھ دھوؤ گی تو یہ آٹو گراف مٹ جائے گا۔"

"تو؟" مارگریٹ نے کندھے اچکائے۔ "جب تک ہے تب تک میں سب کو دکھا کر شو ماروں گی کہ مستقبل کے ڈیوڈ بیکھم نے میری کلائی پر اپنا نام لکھا ہے۔ ڈیوڈ خود کو فیوچر کا ڈیوڈ بیکھم کہتا ہے۔"

مصطفیٰ جانے کے لیے مڑ گیا تھا۔

"ہے! فٹ بالر کو!" اس نے دوسری کلائی آگے بڑھائی۔

"میرا نام غلام مصطفیٰ ہے۔" مصطفیٰ نے مڑ کر کہا تھا اور پھر تیز تیز چلتا ہوا ڈیوڈ کی طرف بڑھ گیا۔

"ہوں میں تو جیسے مری جا رہی ہوں نا اس کا آٹو گراف لینے کے لیے۔"

مارگیٹ نے ناگواری سے کہتے ہوئے بازو نیچے کرلیا تھا۔ اور مصطفیٰ کا وہ شرارت بھرا جملہ کئی دن تک اسے گدگدا تا رہا تھا۔

اور پھر دوسری بار وہ مصطفیٰ سے اسٹاپ پر جاتے ہوئے ملی تھی۔ اسے مارگریٹ کے اسٹور پر تو نہیں ہلیکن کسی اور اسٹور پر جاب مل گئی تھی۔ جو زیادہ دور نہیں تھا۔

جنوری کی وہ صبح بہت دھند آلود تھی۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے تھا۔ وہ اپنے سیاہ لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے تیز تیز چلتی ہوئی اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ آج اس کی جاب کا پہلا دن تھا اور اسے ڈر تھا کہ وہ پہلے ہی دن لیٹ نہ ہو جائے اس لیے سر جھکا رکھا تھا اور ادھر ادھر سے بے نیاز چلی جا رہی تھی کہ سامنے سے آتے غلام مصطفیٰ سے ٹکرا گئی۔ اور جب اس نے سر اٹھایا تو بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"آپ!"

"جی۔ اور یہ آپ صبح صبح آندھی طوفان کی طرح کہاں بھاگی جا رہی ہیں؟" مصطفیٰ نے اپنی گھور سیاہ آنکھیں اس کے چہرے پر جما رکھی تھیں۔

"وہ میں جاب پر جا رہی ہوں آج فرسٹ ڈے ہے نا تو اس لیے جلدی میں ہوں کہ کہیں لیٹ نہ ہو جاؤں۔"

"اوہ اچھا۔ کیسی جاب ہے آپ کی، میرا مطلب ہے کہاں جاب ملی ہے آپ کو؟" وہ اس کے سامنے سے ہٹ کر دائیں طرف ہو گیا تھا اور اب ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس طرح پوچھ رہا تھا جیسے پرانا واقف کار ہو۔

"ایک اسٹور پر سیلز گرل کی جاب ہے۔" اس نے بتایا۔

"کیا اس وقت تمہیں اسکول نہیں جانا ہوتا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جب پاکستان میں تھی تو پڑھتی تھی، وہاں میری ایک کزن ڈاکٹر تھی، دوسری میڈیکل میں ہی تھی اس لیے پاپا کا خیال مجھے بھی ڈاکٹر بنانے کا تھا۔ لیکن پھر ہم یہاں آ گئے اور اب ممی کہتی ہیں کہ مجھے بھی جاب کرنا چاہیے۔" اس نے لحہ بھر کے لیے رک کر مصطفیٰ کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہارے گھر آج کل زیادہ جھگڑے میرے جاب نہ کرنے پر ہو رہے ہیں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے جاب کرلینے سے تمہاری ممی اور پاپا میں لڑائی نہیں ہو گی۔" وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

"پتا نہیں شاید نہ ہوں۔"

"پھر ہو سکتا ہے تمہاری ممی کوئی اور وجہ ڈھونڈ لیں لڑنے کی۔" اس نے خیال ظاہر کیا تھا تو اس کے اندر اداسی کا غبار سا پھیل گیا۔

"او کے۔ وش یو ٹو گڈ لک۔" وہ اسٹاپ پر پہنچ گئے تھے۔

"اپنا خیال رکھنا۔ ہیو آ نائس ڈے۔"

اس پر ایک نظر ڈال کر وہ واپس پلٹا تھا۔ اور اس کا دل خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ وہ صرف اسے اسٹاپ تک چھوڑنے آیا تھا۔ ورنہ وہ تو سامنے جا رہا تھا

اور وہ رخ موڑے اس وقت تک اسے دیکھتی رہی تھی جب تک وہ نظر آتا رہا تھا۔

اور مصطفیٰ سے تیسری ملاقات پارک میں ہوئی تھی۔ سنڈے تھا وہ گھر میں اکیلی تھی۔ پال اور مارتھا بہت سویرے مارشل کے گھر ملنے چلے گئے تھے۔ کیونکہ مارشل کچھ بیمار تھا۔ اس نے کھڑکی سے مارگریٹ کو پارک کی طرف جاتے دیکھا تو خود بھی گھر لاک کر کے پارک میں آ گئی تھی۔ مارگریٹ اکثر پارک میں جاگنگ کے لیے جاتی تھی۔

مارگریٹ کو اس نے جاگنگ کرتے دیکھا تو خود بینچ پر بیٹھ گئی۔ پارک میں آج سردی کے باوجود کافی رونق تھی۔ زیادہ تر نوجوان اور بوڑھے جاگنگ کر رہے تھے۔

وہ اپنے ہاتھوں کو گرم کرنے کے لیے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ رہی تھی کہ کوئی اس کے پاس بینچ پر آ کر بیٹھ گیا تھا اس نے چونک کر دیکھا وہ مصطفیٰ تھا۔

"السلام علیکم!" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر مسکرایا تھا۔

"کیسی ہو مس ہ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور اپنی ٹھنڈی ہوتی ناک کو چٹکی سے پکڑ کر اس کے ہونے کو محسوس کیا۔

"آج بہت سردی ہے۔"

"ہوں ہے تو۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"لیکن موسم کے متعلق گفتگو دو اجنبیوں میں ہوتی ہے یا پھر دو بوڑھے جب ملتے ہیں تو عموماً گفتگو کا آغاز موسم سے ہوتا ہے جبکہ نہ میں بوڑھا ہوں نہ آپ کے لیے اجنبی۔"

اس نے کچھ پریشان سا ہو کر اس کی طرف دیکھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا بات کرے۔

"ہماری عمر کے افراد جب آپس میں ملتے ہیں تو بھلا وہ کیا بات کرتے ہوں گے۔" اس نے بلند آواز سے سوچا۔

"ہاں، اس کے متعلق سوچنا پڑے گا۔" وہ لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اگر تمہیں موسم پر گفتگو کرنا پسند ہے تو میں موسم کے متعلق بھی اچھی گفتگو کر سکتا ہوں مثلاً" یہ کہ آج موسم بہت خوشگوار ہے۔ سردی کے باوجود ایسا لگ رہا ہے جیسے سارے میں چمک دار دھوپ پھیلی ہوئی ہو۔"

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی جب خوش جمال آتی دکھائی دی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے مصطفیٰ! میں تمہیں ادھر ڈھونڈ رہی تھی۔"

"بعض اوقات بندے کو چیزیں وہاں نہیں ملتیں ڈیئر فرینڈ! جہاں ہم انہیں ڈھونڈتے ہیں۔"

"کیا بات ہے آج کل بڑی ذو معنی باتیں کرنے لگے ہو؟" خوش جمال نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"ہیلو جوزی کیسی ہو؟" خوش جمال اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ اور مصطفیٰ کو جاگنگ ٹریک پر دوڑتے بھاگتے دیکھتے ہوئے اس صبح خوش جمال نے اس سے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ اپنے بابا کی اماں کی اور مصطفیٰ کی۔ "مصطفیٰ کو عظیم فٹ بالر کے روپ میں دیکھنا ہم سب کا خواب ہے۔"

"ہے۔ جوزی۔" مارتھا نے ناشتہ ختم کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"تمہیں پال نے بتایا اس سنڈے کو ہمیں ایلن نے انوائیٹ کیا ہے۔"

وہ چونک کر پال کی طرف دیکھنے لگی۔ "پال ہولے سے کھنکارا۔

"بات یہ ہے مارتھا کہ اس سنڈے کو جوزی نے کہیں جانا ہے۔ تو تم ایلن سے کہو اگلے سنڈے کا پروگرام رکھ لے۔"

"کیا بات ہے بھئی؟" مارتھا نے کھڑے ہوتے ہوئے تالی بجائی۔ "بڑے پر نکل آئے ہیں۔ کس کے

ساتھ ڈیٹ پر جارہی ہو۔"

"نن۔ نہیں۔" جوزفین نے تھوک نگلی۔ "وہ مجھے خوش جمال کے گھر جانا ہے۔ اس نے انوائٹ کیا تھا۔ مجھے۔ اور میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا تو۔"

"اچھا!" مارتھا کا اچھا بہت لمبا تھا۔

"دیکھو پال!" اس نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کرپال کی طرف دیکھا۔ "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اسے سمجھاؤ۔ دور رکھواسے مسلمانوں سے۔ وہاں بھی اس کی دوستیاں مسلمانوں سے تھیں اور یہاں بھی اسے مل گئی خوش جمال۔ دیکھ لینا اپنی ماں کی طرح بھاگ کر کسی مسلمانوں سے نکاح پڑھوالے گی۔ اس کا جھکاؤ شروع سے ہی مسلمانوں کی طرف ہے اور اب دیکھ لیا تم نے بھی کرلی اس نے دوستی خوش جمال سے۔"

جوزفین گھبرائی سی کھڑی دستانے اتار اور چڑھا رہی تھی۔

"ہے۔ سنو' جوزی!۔" مارتھا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ "میں نے بھی ایلین کی دعوت قبول کر کے اس سنڈے کو اس کے ساتھ باہر جانے کا وعدہ کیا ہے۔ تم خوش جمال کو منع کردو۔"

جوزفین نے بے بسی سے پال کی طرف دیکھا' پال نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور ٹیبل سے ناشتے کے برتن اٹھا کر سنک میں رکھنے لگا۔

"میں نے کیا کہا ہے جوزی! سن لیا ہے نا تم نے؟" مارتھا اسے گھور رہی تھی۔

"ایلین سے وعدہ تم نے کیا ہے مارتھا؟" پال سنک میں برتن رکھ کر مڑا۔ "اس لیے تم ایلین کے ساتھ چلی جانا آؤٹنگ پر اور جوزی نے خوش جمال سے وعدہ کیا ہے وہ خوش جمال کے گھر چلی جائے گی۔ دونوں اپنا اپنا وعدہ پورا کرلو۔"

اب وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا تمسخر سے مارتھا کو دیکھ رہا تھا۔

"تم!" مارتھا نے دانت پیسے۔ پال نے ایک بار پھر جوزفین کو اشارے سے جانے کے لیے کہا۔ جوزفین تیزی سے باہر نکلی اور مارتھا نے ٹیبل پر رہ جانے والا چمچ اٹھا کر پال کی طرف پھینکا جسے پال نے کیچ کرلیا۔

"تم دیسی عیسائی۔ نالی کے کیڑے۔" مارتھا فل فارم میں آچکی تھی۔

"اور تم تو جیسے ملکہ وکٹوریہ کے خاندان سے ہو۔ لیڈی ڈیانا کی سگی۔ گوجرانوالے کی بہنو۔"

گھر سے نکلتے ہوئے جوزفین نے پال کو کہتے سنا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور پھر یہ آنسو رخساروں پر پھسل آئے۔ وہ سر جھکائے آنسو پونچھتی تیز تیز چلتی ہوئی اسٹاپ کی طرف جارہی تھی۔

روڈ کے اس طرف اپنی گاڑی کے پاس کھڑے غلام مصطفیٰ نے اسے گھر سے نکلتے ہوئے آنسو پونچھتے دیکھا۔ وہ روڈ کراس کر کے اس طرف جانا چاہتا تھا اور پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے؟ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ جب اس کی ممی اور پاپا میں لڑائی ہوتی ہے تو وہ روتی ہے۔ لگتا ہے آج پھر جوزی کے ممی پاپا کی لڑائی ہوگئی ہے۔ اس نے سوچا اور اس وقت تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتی رہی۔

اور اب وہ بے وقوف لڑکی اسٹاپ پر کھڑے کھڑے رو رہی ہوگی' آس پاس کھڑے لوگ اسے حیرت سے دیکھتے ہوں گے لیکن کوئی اس سے نہیں پوچھے گا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ اس نے گھر سے باہر آتی خوش جمال کو دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ بالکونی کی ریلنگ پر دونوں ہاتھ ٹکائے سامنے دیکھ رہا تھا۔ سامنے روڈ کے اس طرف مکان اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گھروں کے انٹرنس پر مدھم روشنی کے بلب جل رہے تھے۔ کہیں کہیں کسی کھڑکی کھڑکیوں کے شیشوں سے ہلکی روشنی آرہی تھی۔ اس کی نظریں جس گھر پر تھیں وہ مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں سرمئی سڑک ساکت اور سوئی ہوئی لگتی تھی۔ وہ بہت دیر سے یونہی کھڑا تھا' اس کی نظریں مکانوں کی کھڑکیوں سے ہوتیں

روڈ پر پھیل کر پھر نئے سرے سے کھڑکیوں پر جا ٹکتیں وہ وہاں کیوں کھڑا تھا؟ نہیں جانتا تھا۔

کیا سوچ رہا تھا! شاید کچھ بھی نہیں۔

اندر کمرے میں بیٹھے بیٹھے یکایک ہی اس کا دل بے حد گھبرایا تھا۔ اور وہ بالکونی کا دروازہ کھول کر یہاں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ لندن کا آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کھڑے کھڑے اس کے ہاتھ سن ہو چکے تھے۔ اس نے ریلنگ سے ہاتھ اٹھائے تو اسے لگا جیسے انگلیاں اکڑ گئی ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو زور زور سے رگڑ کر گرم کرنے کی کوشش کی۔ اور پھر ایک نظر سامنے والے مکان پر ڈال کر وہ واپس مڑا اور کمرے میں آکر بالکونی میں کھلنے والا دروازہ بند کر کے آرام کرسی پر گر سا گیا۔ کمرے میں خوشگوار سی حدت تھی۔ کچھ دیر بعد اس کا سن ہوا چہرہ اور ہاتھ نارمل ہو گئے۔

بالآخر بابا کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ وہ مانچسٹر یونائیٹڈ کی جرسی پہننے والا تھا۔

ایلیکس نے اس کے لیے آٹھ نمبر کی جرسی سلیکٹ کی تھی اور ڈیوڈ کے لیے سات نمبر کی، دونوں ہی ٹرائل میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اور اس روز بابا نے اسے گلے لگاتے ہوئے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

"آج میرا خواب پورا ہوا جو میں نے عبدالهادی کے لیے دیکھا تھا اور جسے تم نے پورا کیا غلام مصطفیٰ! آج یقیناً" ہادی کی روح خوش ہو گی۔ اب میں زور محشر ہادی سے کہہ سکوں گا۔

"دیکھو عبدالهادی وہ خواب جو۔ ہم تم دیکھا کرتے تھے۔ اسے تمہارے ہادی نے پورا کر دیا۔ نو سال۔ ایک طویل مدت۔"

وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

اس سرد ملک میں آئے نو سال بیت گئے تھے۔ ان نو سالوں میں اس نے محی الدین کا خواب پورا کرنے کے لیے ان تھک محنت کی تھی۔ اور نو سالوں کے اس سفر میں۔

اس نے کئی بار ہمت ہار دی تھی۔ ہر بار فاطمہ اور محی الدین اس کی حوصلہ افزائی کرتے تو گڑیا بھی ان کے ہم قدم ہوتی۔ اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کا کام تینوں نے کیا۔

"تمہیں زندگی میں بہت سے مشکل مقامات سے گزرنا پڑے گا، لیکن تمہیں ہمت نہیں ہارنی بہت آگے تک جانا ہے۔" محی الدین اس سے کہتے تھے۔

اپنے ساتھیوں کے رویے اسے ہرٹ کرتے تھے۔ ڈیوڈ وہ واحد لڑکا تھا۔ جس سے اس کی دوستی ہوئی تھی۔ ارسنل کلب میں وہ اس سے پہلے سے کھیل رہا تھا اور عمر میں بھی شاید اس سے تھوڑا بڑا تھا، اس نے نہ صرف فراخ دلی سے اسے خوش آمدید کہا تھا، بلکہ دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا تھا۔ جبکہ دوسرے چند لڑکے اسے ناپسندیدگی سے دیکھتے تھے۔ لیکن اس کے کوچ فرگوسن کی وجہ سے کبھی کوئی بدمزگی نہ ہوئی تھی۔ فرگوسن ڈیوڈ اور مصطفیٰ پر بہت محنت کر رہا تھا۔

"میں ڈیوڈ بیکھم ثانی ہوں۔" ڈیوڈ ایک خوش مزاج لڑکا تھا اور ہمیشہ خوش گمان رہتا تھا۔

"ایک دن آئے گا جب لوگ ڈیوڈ بیکھم کا کھیل بھول جائیں گے انہیں صرف ڈیوڈ کیمرون یاد رہ جائے گا۔" اسے یقین تھا۔

نو سالوں میں اس نے بے شمار میچز کھیلے تھے اور بے شمار کامیابیاں سمیٹی تھیں اور اب نو سال بعد 2009 میں جب رونالڈو مانچسٹر یونائیٹڈ سے علیحدہ ہو رہا تھا تو وہ سائن کرنے جا رہا تھا۔ مانچسٹر یونائیٹڈ نے اس کے ساتھ چار سال کا معاہدہ کرنا طے کیا تھا۔ اور صبح اسے معاہدہ سائن کرنا تھا۔ لیکن ابھی یہ خبر اخبارات تک نہیں پہنچی تھی۔ لوگ ابھی رونالڈو کے جانے کا غم منا رہے تھے۔ فٹ بال کا شہزادہ لندن چھوڑ کر جا رہا تھا اور جوزے نے بڑی ذہانت سے ڈیوڈ اور غلام مصطفیٰ کو اپروچ کیا تھا۔ وہ بہت عرصہ سے ان پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

وہ محی الدین کا خواب پورا کرنے جا رہا تھا لیکن پھر

بھی اس کا دل بے طرح اداس تھا۔ بہت دیر تک وہ یونہی بے چین سا ٹانگیں پسارے بیٹھا رہا۔ کبھی وہ آرام کرسی کی پشت پر سر رکھ دیتا اور کبھی سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا۔ یونہی بیٹھے بیٹھے اسے جوزی کا خیال آ گیا۔

جوزی جو گھر سے باہر آکر اس لیے روتی تھی کہ اس کی ممی اور ڈیڈی میں اس کی وجہ سے لڑائی ہوتی تھی۔ ممی جو سوتیلی تھیں۔ ماں تو ماں ہوتی ہے پھر پتا نہیں وہ سوتیلی کیوں ہوتی ہے؟ اسے مشاعل کی ممی یاد آ گئیں۔ جو صرف مشاعل اور سنی کی ممی تھیں۔ حالانکہ پاپا نے کہا تھا۔ "یہ تمہاری ممی ہیں ہادی۔"

لیکن وہ اس کی ممی نہیں تھیں۔

اس کے اندر دور تک تلخی گھلتی چلی گئی پھر اسے پاپا یاد آ گئے۔

پاپا جنہیں مشاعل کی ممی سے اس کی شکایتیں سن کر غصہ آتا تھا اور پھر وہ اسے ڈانٹتے تھے، مارتے تھے۔ لیکن بعد میں شاید انہیں افسوس بھی ہوتا ہو گا۔ تب ہی تو اس رات وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ اور پاپا اس سے ناراض ہی دنیا سے چلے گئے تھے۔ کاش۔

اس کی آنکھیں جلنے لگیں تو وہ اٹھ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر وہ یونہی مضطرب سا کروٹیں بدلتا اور سونے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اور چند لمحوں بعد وہ خوش جمال کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ خوش جمال نے دروازہ کھول کر حیرت سے اسے دیکھا۔ "سنو خوش جمال مجھے نیند نہیں آ رہی۔ آؤ باتیں کریں۔"

خوش جمال مسکرائی اور مڑ کر بیڈ سے دوپٹا اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ وہ ایسی ہی تھی۔ وہ کتنی بھی تھکی ہوئی ہوتی، مصطفیٰ کو اس نے کبھی کسی کام سے نہ نہیں کہا تھا۔ جب وہ چھوٹی تھی اور گھر بھر کی گڑیا تھی تب بھی وہ مصطفیٰ کا ایسے ہی خیال رکھتی تھی۔ اور جب وہ کالج میں آ گئی تو اس نے سب سے کہہ دیا کہ اب کوئی اسے گڑیا نہ کہے وہ بڑی ہو چکی ہے۔ اور اس کا نام بہت خوب صورت ہے۔ خوش جمال۔ تب بھی وہ مصطفیٰ کا

ایسے ہی خیال رکھتی تھی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ، اس نے مصطفیٰ کا ہر وہ کام بھی اپنے ذمہ لے لیا تھا جو پہلے فاطمہ کرتی تھی۔ دونوں کے درمیان دوستی کا ایک بہت گہرا اور پاکیزہ رشتہ بھی بن گیا تھا۔ اگر کوئی مصطفیٰ سے پوچھتا کہ تمہارا سب سے گہرا دوست کون ہے تو وہ بے دھڑک کہتا۔ "خوش جمال!" اور خوش جمال نے بھی غلام مصطفیٰ کے علاوہ کسی اور کو گہرا دوست نہیں بنایا تھا۔ ملنے ملانے اور تعلق والے بہت تھے لیکن دوست صرف غلام مصطفیٰ ہی تھا۔

"تم ایکسائیٹڈ ہو رہے ہو مصطفیٰ! کیونکہ صبح تمہیں مانچسٹر یونائیٹڈ سے معاہدہ سائن کرنا ہے۔" اس نے لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں شاید!" مصطفیٰ بھی بیٹھ گیا۔ "لیکن میں ایکسائیٹڈ سے زیادہ اداس ہوں پتا نہیں کیوں۔"

خوش جمال نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ اس کی بے حد خوبصورت سیاہ آنکھوں میں بلا کا اضطراب تھا اور وہ بہت بے چین اور مضطرب لگ رہا تھا۔

"تمہیں اپنا گھر اور اپنے پاپا یاد آ رہے ہیں مصطفیٰ۔"

ایک افسردہ سی مسکراہٹ مصطفیٰ کے لبوں پر نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔ لیکن اس نے خوش جمال کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

خوش جمال اٹھ کر لاؤنج سے ملحق کچن میں چلی گئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ بھاپ اڑاتی کافی کے دو مگ اور ساتھ میں کاجو اور پی نٹ کے جار لے کر آ گئی تھی، کافی ٹیبل پر ٹرے رکھ کر اس نے کافی کا کپ مصطفیٰ کو پکڑایا۔"

"ہاں تو تم اداس ہو مصطفیٰ اور یہ کوئی ان نیچرل بات نہیں ہے ہر خوشی کے موقع پر اپنے یاد آتے ہیں۔ ہر غم، ہر دکھ میں ان کا خیال آتا ہے۔ وہ جو بچھڑ گئے انہیں بھلایا تو نہیں جا سکتا مصطفیٰ! اماں، بابا اور میں تمہیں بابا عبدالهادی کو تو نہیں بھولے، وہ ہر وقت ہر لمحہ ہمیں یاد رہتا ہے۔" مصطفیٰ کی آنکھوں کی حیرت واضح

تھی۔

اس نے ابھی سوچا تھا کہ اگر میں خوش جمال سے کہوں گا کہ مجھے اپنے پاپا اور ماما یاد آرہے ہیں تو شاید اسے برا لگے، شاید وہ سوچے کہ مجھے اماں اور بابا کی محبت میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے اور یہ... یہ لڑکی کتنی بڑی جادوگر ہے، کیسے اس کے دل کی ہر بات جان لیتی ہے اور یہ صرف آج کی بات نہیں تھی ہمیشہ سے ہی وہ اس کے دل کی بات جان لیا کرتی تھی۔

"اگر ہمیں ہمارے اپنے یاد آتے ہیں تو یہ تو نیچرل ہے۔ وہ تو ہمارے وجود کا حصہ ہوتے ہیں، اگر ان کی یاد سے ہماری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں تو ہمیں خود کو رونے سے منع نہیں کرنا چاہیے۔ تم اگر رونا چاہتے ہو تو رو لو، اچھا ہے تمہارے اندر اس وقت جو گھٹن ہے وہ ختم ہوجائے گی جیسے بادل برس جائیں تو آسمان صاف ہوجاتا ہے۔"

اس نے آہستہ سے سرہلایا اور اس کی آنکھوں میں نمی پھیلتی چلی گئی۔

"ہاں خوش جمال! مجھے پاپا بہت یاد آرہے ہیں اور ماما بھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"یہ ان کا حق ہے تم پر کہ تم انہیں یاد کرو۔ اگر چند بار وہ تم سے خفا ہوئے تھے تو بہت بار انہوں نے تمہارے لاڈ بھی اٹھائے ہوں گے۔ اگر کبھی انہوں نے تمہیں مارا تھا تو بہت بار انہوں نے تمہیں پیار بھی کیا ہوگا۔ تم چاہو تو ان کی یادیں مجھ سے شیئر کرسکتے ہو مصطفیٰ!"

خوش جمال کو بات کرنے کا قرینہ آتا تھا، اس نے پھر سرہلایا اور گھونٹ گھونٹ کافی پیتے ہوئے پاپا کی باتیں کرنے لگا۔ ماما کے متعلق اسے بہت کم یاد تھا۔ بس ان کی چھوٹی چھوٹی کوئی بات ذہن میں آجاتی تھی تو وہ اسے خوش جمال کو بتاتا۔ خوش جمال بہت دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

جب پاپا نے شادی کی تو وہ نئی ممی کے ساتھ آئی تھی۔ مشاعل۔ لیکن مجھے اس کا آنا اچھا نہیں لگا تھا، کیونکہ ممی نے میرا روم اسے دے دیا تھا۔ وہ اچھی لڑکی تھی خوش جمال! وہ اپنی ممی جیسی نہیں تھی۔" پتا نہیں کیوں اتنے سالوں بعد وہ اسے یاد آگئی تھی۔

"اس نے مجھ پر بہت بار احسان کیا تھا۔"

اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ کب کب اور کس کس طرح مشاعل اس کی مدد کرتی تھی۔ اور خوش جمال دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر چہرہ ٹکائے اسے سن رہی تھی۔ اس کے لیے مصطفیٰ کو سننا شاید دنیا کا سب سے اہم کام تھا اور وہ یہ اہم کام کررہی تھی۔ اور یہ آج سے نہیں تھا ہمیشہ سے تھا کہ مصطفیٰ سے بات کرنا، اسے سننا اچھا لگتا تھا۔ شروع شروع میں جب وہ سوچ سوچ کر ٹھہر ٹھہر کر بات کرتا تھا، تب بھی اس کا بولنا اسے اچھا لگتا تھا اور جب وہ روانی سے بات کرنے لگا تب بھی۔ جب محی الدین پہلی بار اس کا ہاتھ پکڑے گھر میں داخل ہوئے تھے تو اس نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ تمہارا بھائی ہے۔ اور یہ اب یہاں ہی رہے گا۔"

اور اس نے خوشی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور وہ ہمیشہ اس کا ہاتھ تھامے رکھنا چاہتی تھی، یہ اس وقت وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ بہت سہما ہوا اور خوف زدہ لگتا تھا۔ وہ بہت پیارا تھا۔ اور اس کی آنکھیں بہت خوب صورت تھیں۔ گہری سیاہ آنکھیں۔ عبدالہادی کے بعد وہ بہت اکیلی ہوگئی تھی۔ عبدالہادی اس کا بہت خیال رکھتا تھا اور بہت پیار کرتا تھا۔ حالانکہ وہ خود بہت بڑا نہیں تھا۔ لیکن وہ اس کے ناز بڑے بھائیوں کی طرح ہی اٹھاتا تھا اور وہ اسے بھول ہی نہیں پاتی تھی بھول سکتی بھی نہیں تھی، جب اس کی سہیلیاں اپنے بھائیوں کی باتیں کرتیں تو اس کے اندر برسات ہونے لگتی اس کا بھائی نہیں تھا۔ موت نے اسے اس سے جدا کردیا تھا۔ وہ سرجھکائے اپنی نم پلکیں اپنی سہیلیوں سے چھپانے کی کوشش کرتی تھی۔ عبدالہادی سے وہ ہر بات کرتی تھی وہ اس کی ہر بات چھوٹی سے چھوٹی اور بے معنی بات بھی بہت توجہ سے سنتا تھا اور اب عبدالہادی نہیں تھا، تو اس کے اندر باتوں کا ایک ڈھیر جمع ہوگیا تھا۔ وہ اماں اور بابا سے یہ باتیں کبھی نہیں کرسکی تھی، اس لیے نہیں کہ وہ اسے چاہتے نہیں تھے اور اس کا خیال نہیں رکھتے تھے بلکہ اس لیے کہ ان کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا۔ بابا گھر آتے تو تھکے ہوئے ہوتے تھے اور اماں کو تو عبدالہادی کے دکھ نے ادھ موا کردیا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا۔ وہ آج ہی وہ ساری باتیں اس سے شیئر کرے، وہ سب بتائے جو ہادی کو بتایا کرتی تھی۔ اچی سہیلیوں کی باتیں اور اپنے ٹیچرز کی... اسے اپنی البم دکھائے، اپنے اسکیچز دکھائے، جو اس نے عبدالہادی کے بعد بنائے تھے۔

لیکن بابا نے کہا تھا کہ وہ بیمار تھا اور کمزور ہے ابھی اسے آرام کرنے دو۔ وہ اس سے تقریباً" ایک سال چھوٹا تھا۔ اس نے سوچا تھا وہ اس کا ایسے ہی خیال رکھے گی۔ جیسے عبدالہادی اس کا خیال رکھتا تھا۔ اور وہ اس کا خیال رکھنے لگی یوں گویا اس کا سایہ بن گئی ہو۔ جب جب وہ رویا اس نے اس کے آنسو پونچھے، وہ ڈگمگایا تو ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔

ایک وقت آیا کہ وہ بھی اس کا ایسا ہی خیال رکھنے لگا جیسے وہ رکھتی تھی۔ وہ اگر اس کی فکر کرتی تھی تو اسے بھی اس کی فکر ہوتی تھی۔ وہ اس کے لیے پریشان ہوتی تو وہ بھی اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا۔ ذرا سا فلو ہوتا اسے تو اس کے کمرے میں بیٹھا رہتا اور ایک روز جب وہ سارا کے گھر سے آرہی تھی تو ایک سنسان گلی میں ایک لڑکے نے اس کا دوپٹا کھینچا اور پرس چھین لیا۔ اتفاق سے مصطفیٰ نے گلی میں داخل ہوتے اسے دیکھ لیا اور مار مار کر اس کا حشر کردیا۔ اور اس روز اسے لگا تھا کہ اب مصطفیٰ نہ صرف اپنا خیال رکھ سکتا ہے، بلکہ اس کا بھی رکھ سکتا ہے اور اس روز پہلی بار اس کے ذہن میں آیا تھا کہ انہیں۔ ان تینوں کو محی الدین، فاطمہ اور وہ، انہیں کسی اور شخص کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس مصطفیٰ ہے۔ سو یونیورسٹی میں بھی اس کی کسی اور کے ساتھ خاص دوستی نہ تھی۔ لیکن اس روز اسفند اور وہ لیب کی طرف جارہے تھے۔ اسفند اور وہ ایک مشترکہ پروجیکٹ پر کام کررہے تھے، اس پروجیکٹ میں ان کے ساتھ سانچی اور علی بھی تھے اسفند لندن میں ہی پیدا ہوا تھا، اور بہت سچا کھرا اور صاف گو تھا۔ وہ سیدھی بات کرتا تھا بغیر کسی ہیر پھیر کے۔

"سنو خوش جمال!" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے؟"

"ہاں کہو!" وہ چلتے چلتے اپنی فائل کی ورق گردانی بھی کررہی تھی، اسے ان تینوں سے وہ پوائنٹ ڈسکس کرنے تھے، جو رات ہی اس نے تیار کیے تھے۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟"

پہلے اس کے فائل کی ورق گردانی کرتے ہاتھ رکے تھے، پھر قدم ٹھہرے تھے۔ اس نے اسفند کی طرف دیکھا۔ وہ ایک اسمارٹ لڑکا تھا، ہلکے گھنگریالے بالوں اور خوب صورت آنکھوں والا، وہ ذہین اور سنجیدہ سا بھی تھا۔ اس نے کبھی اسے فضول سرگرمیوں میں ملوث نہیں دیکھا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک بہترین انسان تھا۔

"خوش جمال! ہر روز جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جسے میری زندگی کا ساتھی بننا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ صرف پسندیدگی یا محبت، لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ میرے اندر یہ خواہش شدت اختیار کرتی جارہی ہے۔ تم! صرف تم ہی وہ لڑکی ہو خوش جمال! جو میری زندگی میں اجالے بکھیر سکتی ہو۔"

اور خوش جمال نے کھلی ہوئی فائل کے درمیان انگلی رکھی اور فائل بند کرکے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، اسفند ایسا تھا کہ کوئی بھی لڑکی اسے اپنی زندگی میں شامل کرکے فخر محسوس کرتی۔ اس وقت اس کی جگہ یہاں کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید خوشی سے کھل اٹھتی۔ لیکن وہ ساکت کھڑی تھی، اس کے دل میں کہیں کوئی ارتعاش پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ معمول کی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

"خوش جمال!" اسفند کی آواز بہت خوب صورت تھی۔ "تم اگر میرے بارے میں مزید جاننا چاہو۔ جتنا تم جانتی ہو اس سے زیادہ تو پوچھ سکتی ہو۔ میرے ڈیڈ ڈاکٹر ہیں اور مام ہاؤس وائف۔"

اب بھی وہ ساکت کھڑی تھی لیکن اس نے اسفند کے چہرے سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔

"تم چاہو تو کچھ وقت لے لو۔ سوچ لو۔ میرے متعلق کچھ معلوم کروانا چاہو تو کروالو۔"

"سوری اسفند! میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔"

اسفند کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ اسے خود پر یقین تھا کہ کوئی لڑکی اسے رد نہیں کرسکتی بھلے وہ خوش جمال ہی کیوں نہ ہو۔

"وہ کون خوش نصیب ہے خوش جمال؟" اسفند کی آواز دھیمی تھی شکست خوردہ سی۔

"مصطفیٰ!" مصطفیٰ کا نام غیر ارادی طور پر بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ وہ خود ششدر سی رہ گئی تھی لیکن دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئی تھیں۔ وہ دھڑکنیں جو یونی کی بے شمار لڑکیوں کے آئیڈیل اور ہیرو کے پروپوزل پر کس سے مس نہیں ہوئی تھیں۔ صرف مصطفیٰ کا نام لینے پر اودھم مچائے ہوئے تھیں۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے وہاں ہی کھڑی رہ گئی تھی اور وہ سر جھکائے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس روز مصطفیٰ کے لیے اس کے دل میں موجود احساس کے معنی بدل گئے تھے اور اس کی محبت کے جس رنگ میں وہ رنگی ہوئی تھی اس پر کسی نے ہولی کے رنگ پھینک دیے تھے جیسے اب مصطفیٰ کی طرف اس کی نگاہیں اٹھتیں تو ان میں جلتے دیے کسی الوہی محبت کی روشنی کی لو دیتے۔ لیکن مصطفیٰ کو ابھی تک ان بدلتے رنگوں کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ بے طرح مصروف رہتا تھا۔ پڑھائی کلب جم اور وہ پڑھائی ختم کرکے جاب بھی کرنے لگی تھی اور فاطمہ کو اب اس کی شادی کی فکر نے گھیر لیا تھا۔ لیکن وہ ہر آنے والے رشتے کے لیے منع کردیتی۔

"ابھی نہیں اماں پلیز کچھ دن اور اچھا مصطفیٰ مانچسٹر یونائیٹڈ جوائن کرلے پھر۔"

اور اب نہ صرف مصطفیٰ مانچسٹر یونائیٹڈ کا حصہ بن گیا تھا بلکہ چار سال کا معاہدہ کرنے بھی جارہا تھا وہ اب بھی شادی کے لیے تیار نہیں ہورہی تھی۔

گھڑی نے تین کا گھنٹہ بجایا تو مصطفیٰ نے چونک کر خوش جمال کی طرف دیکھا جو دائیں ہاتھ کی کہنی گھٹنے پر ٹکائے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں ٹھوڑی ٹکائے چمکتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"سوری خوش جمال! تین بج گئے اور مجھے احساس ہی نہیں ہوا۔"

"مجھے تمہیں سننا اچھا لگ رہا تھا۔ پہلی بار تم نے مشاعل اور اپنے پاپا کے متعلق مجھ سے اتنی باتیں کیں۔ ویسے مشاعل دیکھنے میں کیسی تھی؟"

"وہ بہت پیاری تھی اس کی آنکھیں اور بال سنہری مائل بھورے تھے اور اس کا کلر تمہارے جیسا فیئر نہیں تھا بلکہ سانولا تھا لیکن وہ جالی کے پریوں جیسے فراک پہنے بالکل کسی فیری ٹیل کی نیک دل پری لگتی تھی جب رات کو اپنی ممی سے چوری مجھے کچھ کھانے کو دینے کے لیے میرے کمرے میں آتی تھی۔"

مصطفیٰ کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگین سوری خوش جمال! کہ میں نے تمہاری نیند خراب کی۔"

"میری نیند خراب نہیں ہوئی لیکن تم نے بار بار سوری کرکے مجھے تکلیف دی ہے۔" اس کے لہجے سے دکھ جھلکتا تھا۔

"نہیں۔" مصطفیٰ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ "اگر تمہیں میرے سوری کرنے سے تکلیف ہوئی ہے تو میں اپنا سوری واپس لیتا ہوں۔ میں تمہیں بالکل بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا اور میں زندگی میں کبھی بھی تکلیف دینا نہیں چاہوں گا۔ تم بابا اور اماں۔ تمہیں تکلیف دینے سے پہلے خود مرجانا پسند کروں گا خوش جمال یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔" وہ سنجیدہ ہوگیا تھا۔

"میں جانتی ہوں مصطفیٰ! ہمارے درمیان سوری اور تھینک یو والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارا ایک دوسرے پر حق ہے تم چاہو تو ساری رات مجھے جگا سکتے ہو اور اگر میں کہوں کہ تم ساری رات یہاں کھڑے رہو تو مجھے یقین ہے تم کھڑے رہو گے۔"

"ہاں تمہارا یقین درست ہے یہیں کھڑا رہوں گا۔" مصطفیٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "ساری رات بغیر کوئی گلہ شکوہ کیے۔"

"اور میں تمہیں اس طرح کھڑا کرنے پر ہرگز سوری نہیں کہوں گی جیسے آج تم نے کہا۔"

"اچھا کہا نا میرا سوری واپس کردو۔"

"نہیں۔ اسے میں کسی اور موقع کے لیے رکھ لیتی ہوں سنبھال کر جب تم سوری نہ کرو اور مجھے لگے کہ تمہیں مجھ سے سوری کرنا چاہیے تھا۔"

"تم بہت عجیب ہو خوش جمال۔" وہ ہنس دیا۔

"اوکے۔ اب تم جاکر کچھ دیر سوجاؤ۔ نو بجے تک تمہیں اولڈ ٹریفڈ کے لیے نکلنا ہے۔"

"ٹھیک ہے گڈ نائیٹ سوئیٹ ڈریمز۔"

اس نے خوش جمال کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں دیے سے جگمگا رہے تھے اور وہ ہونٹوں پر بڑی الوہی سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے میں کچھ تھا۔ کچھ مختلف۔۔۔ لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہیں پایا اور اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆
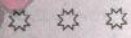
مارتھا ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی اور اس کی تیز نظریں جوزفین کے اندر تک اتر رہی تھیں۔ اس کی نظروں میں بلا کی چبھن تھی اور جوزفین بے حد بے چینی محسوس کررہی تھی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو یہ بات مارتھا کے موڈ کو اور بھی خراب کرے گی۔

اسے مصطفیٰ کے گھر جانا تھا۔ آج خوش جمال کا برتھ ڈے تھا اور خوش جمال نے اسے بتایا تھا کہ مصطفیٰ صرف اس کا برتھ ڈے وش کرنے کے لیے گھر آرہا ہے اور یہ کہ وہ کوئی برتھ ڈے وغیرہ نہیں مناتے بس بابا کیک لے آتے ہیں اور اماں کچھ گھر میں بنالیتی ہیں اور ہم چاروں مل کر ایسے ہی ایک دوسرے کا برتھ ڈے سیلبریٹ کرتے ہیں۔۔۔ لیکن اس بار اس نے اسے بھی بلایا تھا اور اس نے اس کے لیے بہت خوب صورت چھوٹی سی کرسٹل کی باسکٹ لی تھی جسے مارتھا ہتھیا چکی تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ مارتھا نے اسے گھر سے نکلتے دیکھ لیا تھا اور پھر ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتی ہوئی اندر لے آئی تھی اور اگر وہ ضد کرکے چلی بھی جاتی تو اس کا مطلب ایک زبردست لڑائی۔۔۔ لڑائی جس سے وہ گھبراتی اور ڈرتی تھی۔ اس لیے وہ بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے کمرے میں جانے کی بھی ہمت نہیں ہورہی تھی اور مارتھا کی چبھتی نظریں جیسے اس کے اندر چھید کیے دیتی تھیں لیکن وہ وہاں بیٹھنے پر مجبور تھی۔

خوش جمال سے تو خیر وہ معذرت کرلے گی اور اس کے لیے نیا گفٹ خرید لے گی لیکن مصطفیٰ کو وہ کیسے دیکھ پائے گی وہ تو اپنے ٹریننگ سیشن کی وجہ سے ہفتوں آتا تھا ایک آدھ دن کے لیے اور یہ زیاں ایسا تھا جس پر اس کا دل تڑپ رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری جاتی تھیں۔ آج کل وہ دو جگہ کام کررہی تھی کیوں کہ پال پاکستان جانا چاہتا تھا دادا بیمار تھے ان سے ملنے کے لیے اور اسے ٹکٹ کے لیے پیسے جمع کرنا تھے وہ بہت تھک جاتی تھی اور اب پتا نہیں مارتھا کتنی دیر اسے بٹھائے رکھتی۔

وہ ہونٹ بھینچے ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک سال سے اس نے ایلن سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ جوزی کو اس کے ساتھ رہنے پر راضی کرلے گی اب تو ایلن بھی بے زار نظر آنے لگا تھا بلکہ اس کی گرل فرینڈ بھی اس کے ساتھ رہ رہی تھی مارتھا کے بار بار فون کرنے پر وہ آتا تھا اور وہ بھی خالی ہاتھ لیکن وہ مارتھا تھی۔ جانتی تھی کہ اگر آج جوزی ایلن پر مہربان ہوجائے تو وہ پہلے جیسا ایلن بن جائے اس نے اس کی آنکھوں میں اب بھی جوزی کی طلب دیکھی تھی۔ یہ طلب ختم نہیں ہوئی تھی۔ ذرا سی دیا سلائی دکھانے کی ضرورت تھی لیکن یہ جوزی۔ اس نے دانت پیسے۔

اگرچہ وہ دو تین بار ایلین کے ساتھ باہر گئی تھی، لیکن وہ ایلین سے بے تکلف نہیں ہو سکی تھی۔ بہت دیر گھورنے کے بعد مارتھا نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

"سنو جوزی! ہم پاکستان میں نہیں رہتے۔ سو جیسا دیس ویسا بھیس۔" اس کا لہجہ نرم تھا، لیکن لبوں پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ "اب تم اپنا ٹھکانا کر لو۔ ہم کب تک تمہارا بوجھ اٹھائیں گے۔"

"لیکن میں۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ "میں ایک سال سے تو جاب کر رہی ہوں اور ساری پے آپ کو دیتی ہوں اپنے رہنے اور کھانے کا بل۔"

"رہنے دو۔ بی بی۔۔۔ یہ بل ول۔" مارتھا نے اس کی بات کاٹی۔ "ہمارے سر پر سواری مت کرو۔ جدھر جی چاہے جاؤ۔۔۔ چاہو تو ایلین کے پاس چلی جاؤ بس ہمارے گھر سے نکلو۔"

"کس کو گھر سے نکال رہی ہو مارتھا؟" پال نے لاؤنج میں قدم رکھا اور پھر اس کی نظر جوزفین پر پڑی جو سہمی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

"جوزی کو۔" پال نے جوزفین کی طرف اشارہ کیا اور پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا مارتھا کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"تم۔۔۔ بہنو بیگم تم نکل جاؤ اس گھر سے۔" اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔

"اور آج کے بعد میری بیٹی کو گھر سے نکلنے کے لیے مت کہنا ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" مارتھا چمک کر بولی۔

"میں مارشل سے کہہ کر تمہارے کاغذات ضائع کروا دوں گا اور پھر تم دیکھتی رہنا انگلینڈ میں رہنے کے خواب۔" مارتھا ایک لمحہ کے لیے دھک سی رہ گئی۔ اس کا پاسپورٹ اور سارے لیگل ڈاکیومنٹس مارشل کے پاس تھے۔ اور آج کل میں انہیں برٹش پاسپورٹ ملنے والے تھے۔ پال نے ٹھیک اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے فوراً" پینترا بدلا۔

"پال! تم نے تو آنکھیں بند کر رکھی ہیں، لیکن میں تمہاری طرح آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔ آنکھیں کھولو پال۔"

پال نے اپنی بند ہوتی آنکھیں پوری کوشش سے کھولیں اور صوفے پر پڑے وال پیپر ایک طرف کرتے ہوئے صوفے پر گر سا گیا۔ وہ دو دن سے کام پر نہیں جا رہا تھا۔ پورے گھر میں وال پیپر لگانے اور مرمت کرنا تھی۔ کئی جگہ کا پینٹ خراب تھا، سو وہ سارا دن سیڑھی پر ٹنگا رہ کر بے حد تھک چکا تھا اور صرف آرام کرنا چاہتا تھا۔ تھکن دور کرنے کے لیے اس نے کچھ زیادہ ہی پی لی تھی اور بستر پر لیٹا ہی تھا کہ مارتھا کی آواز سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ مارتھا بھی اس کی پوری دشمن تھی اسے اپنا وہ سرخ چھوٹی اینٹوں والا گرجے سے منسلک گھر یاد آیا۔ اس کا سرسبز لان اور ڈھیروں پھول۔

"آہ!" اس کے لبوں سے آہ نکلی۔

"تم صرف آہیں بھر سکتے ہو پال! اپنی بیٹی کو نہیں روک سکتے جو صبح و شام اس لڑکے مصطفیٰ کے گھر کے چکر لگاتی ہے۔" مبالغے میں بھی مارتھا کو کمال حاصل ہے۔ جوزفین نے سوچا۔ "چکر چلا رکھا ہے اس نے مصطفیٰ کے ساتھ۔"

مصطفیٰ کے نام پر جوزفین کی ایک دھڑکن جیسے مس ہوئی تھی اور اندر دور تک خوشبو سی بکھر گئی تھی۔

"مارتھا! خوش جمال اس کی فرینڈ ہے، تم خوامخواہ الزام تراشی مت کیا کرو۔" وہ وال پیپر کا ایک ٹکڑا اٹھا کر ڈیزائن دیکھنے لگا۔

"ہاں ہاں، خوش جمال اس کی دوست ہے احمق آدمی! خوش جمال کا تو پردہ ہے، اس کی آڑ میں یہ اس غلام مصطفیٰ سے ملتی ہے کب تک آنکھوں پر پٹی باندھے رکھو گے۔"

"بکو مت!" پال نے اسے جھڑکا۔

"ممی! وہ مصطفیٰ تو بہت کم گھر پر ہوتا ہے۔ وہ تو کوالیفائینگ راؤنڈز کے میچز میں بزی رہتا ہے اور میں تو خوش جمال۔۔۔" جوزفین نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" مارتھا نے غصے سے کہا تو غیر ارادی طور پر جوزفین کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"کیا؟" مارتھا نے اٹھ کر اسے بالوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔ "کیا میں جھوٹی ہوں؟"

"ممی پلیز، میرے بال چھوڑیں۔" اس نے بال چھڑانے کی کوشش کی۔ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"چھوڑ دو۔۔۔ چھوڑ دو میری بیٹی کو، نہیں تو میں پولیس کو فون کرتا ہوں کہ تم میری بیٹی پر تشدد کر رہی ہو؟" پال اٹھتے ہوئے دھاڑا۔

اس نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹکرائی۔

"تمہیں مسئلہ کیا ہے مارتھا؟" وہ جوزفین کے قریب آیا تھا اور اس کے بالوں کو ہولے ہولے سہلا رہا تھا۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ تمہیں ہو گا پال! جب یہ اس مصطفیٰ سے شادی کر لے گی۔ اپنی ماں کی طرح مسلمان سے عشق اس کے خون میں ہے۔ پادری کی پوتی ہو کر جب یہ شادی رچا لے گی اس سے تو ہمارے ہی نہیں ہمارے پورے خاندان کے منہ پر کالک تھپ جائے گی۔"

وہ صحیح کہہ رہی تھی اسے غلام مصطفیٰ سے عشق تھا اور یہ عشق آج تو نہیں ہوا تھا، اسے لگتا تھا جیسے اس عشق کا بیج بہت پہلے اس کے دل کی زمین پر نمو پا چکا تھا، شاید اس کی پیدائش سے پہلے جب روحیں تخلیق ہوئی تھیں۔ اور اب تو جڑیں پھیل چکی تھیں اور وہ ایک تناور درخت بن گیا تھا، لیکن یہ بات وہ مارتھا سے یا پال سے نہیں کہہ سکتی تھی

"بس اب اور کچھ مت کہنا ورنہ ایک لگاؤں گا۔ منہ ٹیڑھا کر دوں گا تمہارا۔" نشے میں آ کر وہ بہادر ہو جاتا تھا۔ مارتھا صرف اسے گھور کر رہ گئی۔

"میں اپنی بیٹی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ایک سچی کرسچن ہے۔ پیور عیسائی۔" غیر ارادی طور پر جوزفین نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ "اور یہ بھی جانتی ہے کہ اس کا دادا پادری ہے۔۔۔ پورے ضلعے کے کرسچن اس کی عزت کرتے ہیں۔"

اس نے بہت مان سے جوزفین کی طرف دیکھا اور اس کے اندر جلتے دیے بھڑک کر بجھے تھے اور شدت کرب سے اس نے آنکھیں میچتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچلا۔

اس ایک سال میں وہ بہت بار خوش جمال کے گھر گئی تھی، لیکن مصطفیٰ سے صرف چند بار ملاقات ہوئی تھی اور ہر بار اس کا نقش پہلے سے زیادہ گہرا ہوا تھا اور ہر بار اسے لگا تھا جیسے وہ مصطفیٰ کو صدیوں سے جانتی ہو۔ وہ سب سے مختلف تھا۔ ایلین، ڈیوڈ، مری سب سے مختلف، اس کی آنکھوں سے پسندیدگی جھلکتی تھی، لیکن ان میں ہوس کا رنگ نہیں تھا۔ شفاف، پاکیزہ آنکھیں۔۔۔ سلجھی ہوئی باتیں۔

"ہوں!" مارتھا نے تیز نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا اور پھر کھٹ کھٹ کرتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"سنو جوزی!" پال اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ "میں نے پاکستان فون کیا تھا زری ایک بار روزی کو ملی تھی۔۔۔ روزی کے پاس اس کا نمبر ہے۔ اس نے دیا تھا، لیکن اسے یاد نہیں کہ اس نے کہاں لکھا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی تلاش کرے گی۔ نمبر مل گیا نا تو پھر تم چلی جانا اپنی ممی کے پاس۔" اس نے ہچکی لی۔

"یہ عورت۔۔۔ یہ کسی روز تمہیں بیچ دے گی۔۔۔" اس نے گالی دی۔ "یہ اس قابل نہیں تھی کہ ایک پادری کی بہو بنتی گوجرانوالے کی بہنو۔ ایک دم جھوٹی مکار۔" اس نے پھر گالی دی۔

"کہتی ہے، تم خوش جمال سے ملنے نہیں جاتی ہو۔ مصطفیٰ کے ساتھ ڈیٹ پر جاتی ہو۔ میں دیکھتا ہوں اسے۔۔۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔

"نہیں بابا۔۔۔ پلیز نہیں۔" جوزی نے دوڑ کر اسے پکڑا۔

"پیچھے ہٹو۔ مت روکو مجھے۔ وہ عورت تمہاری

دشمن ہے۔"

اس نے ہاتھوں سے جوزفین کو پیچھے کیا، لیکن خود لڑکھڑا کر نزدیکی صوفے پر گر گیا اور پھر وہاں ہی ڈھیر ہوگیا۔ جوزفین نے جلدی سے اس کے سر کے نیچے کشن رکھا۔ اس کے جوتے اتارے، اس کے پاؤں سوجے سوئے تھے۔ وہ شوگر کا مریض تھا اور سیڑھی پر سارا دن کھڑا رہ کر کام کرتا رہا تھا۔ جوزفین ہولے ہولے اس کے پاؤں دبانے لگی۔

"غلام مصطفیٰ۔ کیسا لڑکا ہے جوزی؟" پال نے پوچھا۔

"بہت اچھا پلیئر ہے۔ آپ نے اس کے میچز دیکھے ہیں نا۔"

"ہاں، لیکن پلیئر کے علاوہ۔"

"اچھا ہے۔ اس کے بابا، اماں اور خوش جمال سب بہت اچھے ہیں۔ آپ یقین کریں میں خوش جمال سے ملنے جاتی ہوں۔۔۔ وہ اپنے میچز میں مصروف رہتا ہے۔ بس کبھی کبھی گھر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ تم اپنا مذہب چھوڑے بغیر بھی اس سے شادی کر سکتی ہو، لیکن دیکھو۔" اس نے ہچکی لی۔

"تم پھر بھی اس سے شادی نہیں کرو گی۔"

"نہیں کروں گی بابا!" اسے کچھ دیر پہلے پال کی اپنی طرف مان سے دیکھتی نظریں یاد آئیں۔

"تم اچھی لڑکی ہو۔۔۔ مجھے تمہیں تمہاری ممی کے پاس سے نہیں لانا چاہیے تھا۔"

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا۔ جوزفین کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، وہ اب اس کے بازو دبا رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے، وہ رو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے اور غلام مصطفیٰ کے راستے الگ ہیں، ان کی منزل کبھی ایک نہیں ہو سکتی، لیکن پھر بھی وہ اندھا دھند اسی راستے پر بھاگتی جا رہی تھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بے دم ہو کر راستے میں ہی گر جائے گی، کبھی اس تک نہیں پہنچ پائے گی۔ وہ خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔

پال، اس کا تایا، مارشل، اس کے دوسرے چچا، پھوپھیاں اور اس کا دادا جو پادری تھا، کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ ایک مسلمان سے شادی کر لے، لیکن وہ اس دل کا کیا کرتی جو ہمک ہمک کر مصطفیٰ کی طرف لپکتا تھا۔ اس کے آنسو زیادہ تیزی سے بہنے لگے۔ پال نے ذرا سی آنکھ کھول کر اسے دیکھا اور اسے اندر کہیں ادراک ہوا کہ وہ کیوں رو رہی ہے، لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تنہا نہیں تھا، اس کا پورا ایک خاندان تھا۔ سب اٹھ کھڑے ہوتے ان کے خلاف، اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور بے بسی کا ایک گہرا احساس اس کے اندر پھیلتا چلا گیا۔

✡ ✡ ✡

مارچ کے ان آخری دنوں میں لندن کا موسم بہت خوشگوار تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی اولڈ ٹریفڈ سے آیا تھا۔ اگلے چند دنوں میں کیا ہونے والا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ سلیکٹر کے منتخب کرنے والے تھے، لیکن جلد ہی یورپین چیمپینز لیگ کے لیے کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان ہونے والا تھا۔ وہ بہت پرامید تھا۔ پچھلے سارے میچز میں اس کی کارکردگی بہت اچھی رہی تھی۔ اخبارات نے اسے سراہا تھا، اگرچہ اسے کچھ مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ ابتدائی میچز میں اس کے خلاف "پاکی" کے نعرے بھی لگے تھے، لیکن محی الدین نے کہا تھا اسے کمزور نہیں پڑنا، یہی لوگ ایک دن تمہیں تسلیم کریں گے۔ مانچسٹر یونائیٹڈ کے میچز نے بھی اسے حوصلہ دیا تھا۔ کیوں کہ اس کی نظر صرف اہلیت پر تھی اس کے نزدیک اہم یہ تھا کہ مانچسٹر یونائیٹڈ نے جیتنا ہے، ڈیوڈ کی کارکردگی انگلش پریمیر لیگ اور مانچسٹر یونائیٹڈ چیمپینز لیگ میں کچھ اچھی نہیں رہی تھی، جس کا اسے بے حد افسوس تھا۔

ڈیوڈ اس کا واحد دوست تھا، اور وہ چاہتا تھا کہ دونوں یکساں کامیابیاں حاصل کریں۔ اتنے بہت سارے مصروف دنوں کے بعد آج اس کا ارادہ آرام کرنے کا تھا۔ محی الدین، فاطمہ اور خوش جمال کچھ دیر پہلے ہی

سیف اللہ کے گھر گئے تھے، لیکن اس نے محی الدین سے کہا تھا کہ وہ کچھ دیر آرام کر کے ڈیوڈ سے ملنے آجائے گا۔ ڈیوڈ پچھلے کئی دنوں سے اس سے کترا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے یقیناً" کوئی پریشانی ہے۔ اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا، چار بج رہے تھے۔ وہ کچھ دیر آرام کر سکتا تھا۔

پھر بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں، اسے پتا ہی نہیں چلا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ کچھ دیر تو وہ یونہی لیٹا اندھیرے میں دیکھتا رہا۔ پھر یک دم اٹھ بیٹھا۔ اسے تو ڈیوڈ کی طرف جانا تھا۔۔۔ تکیے کے پاس پڑا فون اٹھا کر اس نے میسج چیک کیے۔ خوش جمال کے دو تین میسج تھے۔ اس نے پوچھا تھا کہ وہ گھر پر ہے یا ڈیوڈ کی طرف، اور یہ کہ اگر اس کا موڈ بن جائے تو وہ انکل سیف اللہ کی طرف آجائے۔ وہ ڈنر ان کے ساتھ ہی کریں گے۔

اس نے خوش جمال کے میسج کا جواب دیا اور پھر جلدی جلدی تیار ہو کر لاک وغیرہ چیک کیے اور گھر سے باہر نکل آیا۔ باہر اسٹریٹ لائٹیں جل چکی تھیں۔ لاک سے چابی نکال کر پاکٹ میں ڈالتے ہوئے وہ مڑا تو اس کی نظر جوزفین کے گھر پر پڑی اور اس نے دیکھا جوزی اپنے گھر کے گارڈن کی طرف سے آرہی تھی وہ ادھر ادھر محتاط نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

یہاں اس اسٹریٹ پر موجود تمام گھروں کے مین دروازوں کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے لان تھے یا گارڈن اور ان کے گرد لکڑی کی باڑ تھی اور لکڑی کا ہی دروازہ تھا وہ بہت دنوں بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ جینز کے اوپر ایک کھلی سی شرٹ پہنے ہوئے تھی اور اس کے بال ہوامیں اڑ رہے تھے۔

وہ ایک ہاتھ سے بال پیچھے کرتی ہوئی اس کے گھر کی طرف آرہی تھی اور وقفے وقفے سے پیچھے مڑ کر بھی دیکھنے لگتی تھی۔ وہ جوں ہی سڑک کراس کر کے اس کے گھر کی طرف بڑھی وہ اندھیرے سے روشنی میں آگیا اور اسے سلام کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"وہ۔۔۔ میں خوش جمال کی طرف آئی تھی۔" وہ اکثر اس کے سامنے بات کرتے ہوئے گھبرا جاتی تھی۔

"وہ سب تو گھر پر نہیں ہیں۔" اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا، لیکن سب کے گھر پر نہ ہونے کا سن کر وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

"کوئی پرابلم؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ۔۔۔ ہاں۔ وہ گھر میں ایلین تھا اور۔"

"تو تم اس سے بھاگی ہو۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ لاؤنج میں ممی سے باتیں کر رہا تھا میں کچن کے دروازے سے نکل کر آ گئی کہ کچھ دیر خوش جمال کے پاس۔"

"چلو ان کے آنے تک ہم واک کرتے ہیں۔" وہ اس کے مسائل جانتا تھا۔ خوش جمال بتاتی رہتی تھی۔

"آپ کہیں جا رہے تھے؟" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں مجھے ڈیوڈ کی طرف جانا تھا۔"

"وہ آپ کا انتظار کر رہا ہو گا۔" وہ اب اپنی اسٹریٹ سے نکل کر دوسری اسٹریٹ میں چل رہے تھے۔

"اسے علم نہیں ہے میرے آنے کا۔ سو کل چلا جاؤں گا۔"

مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا، اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کے سنہری مائل بھورے بال چمک رہے تھے اور اس کے چہرے پر انوکھی سی خوشی تھی اور یہ بات مصطفیٰ نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ اس طرح چلنا اس کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ وہ اس وقت بالکل بھول چکی تھی کہ اس کے گھر جانے کے بعد کیا ہو گا۔ وہ اس وقت مار تھا یا ایلین کے متعلق نہیں سوچنا چاہتی تھی وہ اس وقت صرف اس خوشی کو محسوس کرنا چاہتی تھی، جو غلام مصطفیٰ کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے رگ و پے میں رقص کر رہی تھی۔

"اور جب تم گھر واپس جاؤ گی جو تمہیں جانا ہے تو تمہاری ماما تو لڑیں گی تم سے۔" مصطفیٰ نے کہا۔

"ہاں!" وہ مسکرائی۔ "کسی خونخوار بلی کی طرح پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جائیں گی، لیکن زیادہ مسئلہ نہیں ہو گا، تب تک پاپا آجائیں گے اور وہ سنبھال لیں گے ممی

کو....."

"یعنی تیروں کا رخ ان کی طرف ہو گا۔" مصطفٰے نے چلتے چلتے رک کر اسے دیکھا۔

"آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔" وہ ایک اسٹور کے چبوترے پر بیٹھ گئے۔ اسٹور بند تھا اور اوپر جلتے بلبوں کی روشنی سیدھی ان پر پڑ رہی تھی۔

"ویسے تمہارے پاپا کو ایک کرسچن عورت سے شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

"دراصل میری ممی کے بعد پاپا کو ان سے، میرا مطلب ہے مارتھا ممی سے محبت ہو گئی تھی شاید..... ویسے اگر آپ کو کسی کرسچن لڑکی سے محبت ہو جائے تو کیا آپ اس سے شادی کریں گے؟" جوزفین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں..... یہ تو محبت ہونے کے بعد ہی بتایا جاسکتا ہے کہ اس کی شدت کتنی ہے اور ہم اس محبت کی خاطر کتنا آگے تک جاسکتے ہیں۔ کیا وہ اتنی شدید ہے کہ میں اس کی خاطر اپنے والدین کا دل دُکھا سکتا ہوں؟ میرا نہیں خیال کہ میں کبھی بابا اور اماں کا دل دُکھاؤں گا۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ بہت مشکل ہوتا ہے والدین کا دل دکھانا یا محبت قربان کردے یا دل دکھادے۔"

اسے بھی پال کا خیال آگیا تھا۔ کیا وہ کبھی پال کا مان توڑ سکتی ہے۔ شاید نہیں۔

اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی، مصطفٰے نے بغور اسے دیکھا..... بھورے بالوں اور سنہری مائل بھوری آنکھوں والی وہ لڑکی جو بہت خوب صورت نہیں تھی، لیکن جس کی سانولی رنگت میں بلا کی ملاحت تھی اور جس کی آنکھوں کا غم اور ان میں بکھرے اداسی کے رنگ اسے متاثر کرتے تھے۔ یہ رنگ جانے پہچانے تھے۔

اس غم سے اس کی برسوں پرانی یاری تھی۔ کبھی اس کی آنکھوں میں بھی اداسی کے ان رنگوں نے ڈیرے جمار کھے تھے۔ اسے اپنا اور اس کا درد مشترک لگا۔

"جب تمہاری ممی کی ڈیتھ ہوئی تو تم کتنی بڑی تھیں؟"

"نہیں، میری ممی کی ڈیتھ نہیں ہوئی۔ ان کی علیحدگی ہو گئی تھی..... ممی نے کسی اور سے شادی کرلی تھی۔" اس نے سر جھکالیا تھا۔ جیسے یہ کوئی بہت غلط بات تھی۔

"اوہ!" مصطفٰے کے لبوں سے نکلا۔ "اور تمہاری ممی..... کیا وہ تم سے ملتی ہیں؟"

"نہیں....." اس نے نفی میں سر ہلایا اور کھڑی ہو گئی۔

"چلیں۔"

"کیا ایلین چلا گیا ہو گا؟" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"پتا نہیں، لیکن پاپا آگئے ہوں گے۔" وہ دونوں ایک بار پھر چلنے لگے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔

"سنو جوزی!" وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دائیں طرف کی گلی سے نکل کر ڈیوڈ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"ہے مصطفٰے!"

"اوہ ڈیوڈ! تم کیسے ہو۔ مجھے آج تمہاری طرف آنا تھا، لیکن پھر....." غیر ارادی طور پر اس نے جوزفین کی طرف دیکھا۔

"ہا..." ڈیوڈ نے جوزی کی طرف اشارہ کیا۔ " ONE NIGHT STAND " اور حلق پھاڑ کر ہنسا۔

مصطفٰے کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ڈیوڈ ادھر ادھر لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ نشے میں تھا۔ یقیناً اس نے بہت زیادہ پی رکھی تھی۔

"یہ جوزی ہے....." اس نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اچھا جوزی۔" اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ "جوزی..... وہ ایلین کی محبوبہ۔"

"شٹ اپ!" جوزفین کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"تو کیا نہیں ہو اس کی محبوبہ؟" اس کی آواز بھی لڑکھڑا رہی تھی۔ مصطفٰے نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"ڈیوڈ! تم نشے میں ہو۔ اس طرح تم خود کو تباہ کر رہے ہو..... تمہیں اتنی زیادہ ڈرنک نہیں کرنا چاہیے، جبکہ آج کل میں ٹیم کے لیے کھلاڑیوں کا انتخاب ہونے والا ہے....."

"اچھا!" ڈیوڈ نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ "تمہیں تو جوزے ٹیم کا کپتان بنا رہا ہے نا۔ تم خوش ہو جاؤ....." اس نے قہقہہ لگایا۔

"اس وقت تم نشے میں ہو۔ ڈیوڈ میں صبح تم سے بات کروں گا۔"

"جاؤ..... جاؤ....." ڈیوڈ نے اسے ہلکا سا دھکا دیا۔

مصطفٰے نے جوزفین کی طرف دیکھا اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور وہ سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ جو سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ کو گھر تک چھوڑ آئے، اس کا گھر یہاں سے پندرہ منٹ کی واک پر تھا۔ جوزفین کو دیکھ کر اس نے ارادہ بدل دیا اور جوزفین کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیے۔

"میں ڈیوڈ بیکھم ثانی ہوں۔" ڈیوڈ نے چلا کر کہا۔ "اور مجھے "جوزے" ٹیم سے باہر نہیں کر سکتا۔"

مصطفٰے کا دل اس کے لیے دُکھ سے بھرنے میں آرہا تھا۔ کہ جوزے ڈیوڈ کو ٹیم سے باہر کرنے والا ہے۔ شاید ڈیوڈ نے بھی سن لیا تھا۔ اور یہ شاید اسی کا ردِ عمل تھا۔

وہ دونوں اب فٹ پاتھ پر چل رہے تھے ڈیوڈ پیچھے رہ گیا تھا۔ صبح موسم بہت خوشگوار تھا، لیکن یکایک آسمان پر بادل چھائے تھے اور ابھی وہ اپنی اسٹریٹ سے دور ہی تھے کہ ایک دم تیز بارش نے انہیں آلیا۔ تیز تیز چلتے ہوئے مصطفٰے نے اپنی جیکٹ اتار کر اسے دی۔

"لیکن!" وہ جھجکی۔

"یہ پہن لو جوزی۔!" مصطفٰے نے نرمی سے کہا۔

وہ یونہی گھریلو کپڑوں میں ایلین کے آنے پر کچن کے راستے سے نکل آئی تھی۔ جیکٹ لیتے ہوئے اس نے شکریہ ادا کیا تو مصطفٰے لمحہ بھر رک گیا تاکہ وہ جیکٹ پہن لے۔ وہ اس سے چند قدم پیچھے تھی، اس کے برابر پہنچنے کے لیے اس نے تیزی سے قدم اٹھائے اور پھسل گئی۔ مصطفٰے نے یکدم مڑ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ اور اب وہ اس کا ہاتھ پکڑے تیز تیز چل رہا تھا۔ اور جوزفین کو لگا جیسے یہ اس کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن پھر اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ کاش۔ وقت یہیں ٹھہر جائے اور وہ یونہی مصطفٰے کا ہاتھ تھامے بارش میں بھیگتے ہوئے چلتی رہے اور زندگی ختم ہو جائے۔ اس کے دل نے بے اختیار خواہش کی، لیکن بھلا ایسی خواہشیں بھی کبھی پوری ہوئی ہیں؟ وہ اپنی اسٹریٹ میں داخل ہو چکے تھے۔ مصطفٰے نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ گھر کے باہر رک کر اس نے جیکٹ اتار کر مصطفٰے کی طرف بڑھائی۔

"کسی کا دیا ہوا تحفہ واپس نہیں کیا جاتا لڑکی!" وہ کب واپس کرنا چاہتی تھی، وہ تو اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔ "لیکن ممی۔ جی۔ وہ۔ ممی۔" اس کے منہ سے بے ربط اور نامکمل جملہ نکلا اور مصطفٰے لمحے کے ہزارویں حصے میں بات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس نے جیکٹ تھام لی۔

وہ شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی، لیکن لفظ اس کے اندر ہی گم ہو گئے تھے اور آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔

"تمہیں شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ خوشی کہتی ہے بعض رشتوں میں شکریہ اور سوری تکلیف دیتے ہیں۔"

"رشتہ۔ کیا مصطفٰے سمجھتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی رشتہ ہے؟" اس کے اندر یکدم پھول کھلے تھے اور ساتھ ہی آنسوؤں کی برسات ہوئی تھی۔ اور بھیگی پلکیں لمحہ بھر کے لیے مصطفٰے کی طرف اٹھی تھیں، مصطفٰے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ بھیگے ہوئے بھورے بال اس کی پیشانی اور رخساروں سے چمٹے ہوئے تھے اور پانی کے کچھ قطرے اس کے بالوں اور پیشانی پر اٹکے تھے۔ اور آنکھوں میں جھلملاتے دیے یکدم پانیوں میں ڈوب گئے تھے، اس سے پہلے کہ یہ پانی پلکوں کی حدیں توڑ کر رخساروں تک آتا، وہ یک دم تیزی سے مڑی اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

مصطفےٰ لحہ بھر وہاں ہی کھڑا رہا۔ اس کا دل جیسے ان جھلملاتی آنکھوں میں اٹک گیا تھا۔

یہ لڑکی اسے اچھی لگتی تھی۔

"یہ محبت تو نہیں ہے؟" اس نے خود سے پوچھا۔

"ہاں شاید یہ محبت ہی ہے۔"

گھر کا لاک کھولتے ہوئے اس نے اعتراف کیا اور گھر میں داخل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

محی الدین، فاطمہ اور غلام مصطفےٰ تینوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اور خوش جمال کچن سے لاؤنج اور لاؤنج سے کچن کے چکر لگا رہی تھی۔ پورے گھر میں چاروں طرف خوشی اور مسرت کا احساس بکھرا ہوا تھا۔ فاطمہ کی آنکھیں نم تھیں اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ پڑھ کر مصطفےٰ پر پھونک رہی تھی۔ محی الدین کی نم آنکھیں بھی بار بار مصطفےٰ کی طرف اٹھتی تھیں اور پھر وہ فوراً ہی نظریں جھکا لیتے تھے کہ کہیں مصطفےٰ کو ان کی نظر ہی لگ جائے۔ کچھ دیر پہلے وہ مصطفےٰ سے گلے ملتے اور اسے مبارکباد دیتے ہوئے جذباتی ہو گئے تھے۔ اگرچہ انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا، لیکن پھر بھی آنکھیں بار بار بھر آتی تھیں اور یہ خوشی و تشکر کے آنسو تھے۔

خود مصطفےٰ کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے ایسا ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ اپریل میں ہونے 2010-2011 کے یورپین چیمپینز لیگ کے لیے جس ٹیم کا انتخاب کیا جائے گا۔ اس کی کپتانی کا سہرا اس کے سر رکھا جائے گا۔ انٹرنیشنل کلب کی جرسی پہننا ہی کسی اعزاز سے کم نہ تھا کہ اب اسے ایک اور اعزاز مل گیا تھا۔ اس نے تو صرف یہ چاہا تھا کہ جب ٹیم کے کھلاڑیوں کا نام اناؤنس ہو تو اس میں اس کا بھی نام شامل ہو۔

اس ایک سال سے زیادہ عرصے میں اس نے بے شمار میچز کھیلے تھے اور حیرت انگیز گول داغے تھے اور کچھ ایوارڈ بھی ملے تھے اسے، تاہم کچھ تعصب ضرور پایا جاتا تھا کہ جب ورلڈ پلیئر آف دی ایئر کے لیے فیفا ایوارڈ رونی کو دیا گیا تو کچھ صحافیوں نے دبے لفظوں میں اس کا نام لیا تھا۔ لیکن اسے کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ رونی بہترین کھلاڑی تھا۔ اور اب بھی اگر کپتانی اسے سونپی جاتی تو اسے افسوس نہ ہوتا۔ لیکن یہ ایک غیر متوقع خوشی تھی جو اسے ملی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"تم اس کے حق دار ہو۔" جوزے نے اس کے کندھے تھپکے تھے۔ "یہ پہلا موقع ہے کہ مانچسٹر یونائیٹڈ نے کسی پاکستانی کھلاڑی کو چنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم ہماری امیدوں کو نہیں توڑو گے۔ اور مجھے مانچسٹر یونائیٹڈ کی انتظامیہ کے سامنے شرمندہ نہیں کرو گے۔" اور وہ جان گیا تھا کہ ایسا جوزے کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ ذرا بھی متعصب نہیں تھا۔

"مجھے آج تمہارا بھائی بہت یاد آرہا ہے۔ اور مجھے خوشی ہو رہی ہے تمہاری اس کامیابی پر۔" آرسنل کلب کا منیجر فرگوسن بھی اس وقت وہاں ہی تھا۔ "وہ اگر زندہ رہتا تو ایک عظیم فٹ بالر بنتا اس کے شاٹ شاندار تھے اور رفتار حیران کن۔ میں اس کی زندگی کا وہ آخری گول کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔"

اس نے سر جھکا کر عبد الہادی کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔

ڈیوڈ کا نام ان کھلاڑیوں میں شامل نہیں تھا مصطفےٰ کو افسوس ہوا تھا، وہ اس کا دوست تھا۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا اس کا حوصلہ بڑھانا چاہتا تھا کہ وہ ہمت نہ ہارے۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اس بینچ تک آیا تھا جہاں وہ مایوس دل شکستہ سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"ڈیوی!" اس نے اس کے قریب جاتے ہوئے کہا تو اس نے سر اٹھایا، ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈالی اور اٹھ کر تیزی سے ایک سمت بڑھ گیا تھا۔

"نہیں۔ یہ ڈیوڈ تھا اس کا واحد دوست، کیسے اسے نظر انداز کر کے چلا گیا تھا۔"

"دراصل وہ ڈس ہارٹ ہوا ہے اس لیے۔" اس نے خود ہی دل کو سمجھا لیا تھا۔ ایک دو روز تک ٹھیک ہو جائے گا تو پھر میں اسے سمجھاؤں گا۔

"شراب نوشی کی کثرت نے اس کی کارکردگی کو متاثر کیا ہے، ورنہ وہ اچھا کھلاڑی ہے۔ انتظامیہ کو ایک بار اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔" اخبارات نے تبصرہ کیا تھا اور اس کا بھی یہی خیال تھا۔

"ٹھیک دس منٹ بعد آپ سب ڈائننگ ٹیبل پر آجائیں۔" خوش جمال نے ہاتھ میں پکڑی ڈش ٹیبل پر رکھی۔ وہ خوشی سے چہکتی پھر رہی تھی۔ اس نے گھر آنے پر گلاب کا ایک بڑا بکے مصطفےٰ کو دیا تھا۔

مصطفےٰ نے اپنی کیفیت سے باہر آکر خوش جمال کی طرف دیکھا اور پھر ٹیبل کی طرف، جو لاؤنج میں ہی ایک طرف لگی ہوئی تھی۔ اور خوش جمال نے چائے کے ساتھ اچھا خاصا اہتمام کر لیا تھا۔

"ہم صرف چار بندے ہیں خوشی!"

"ابھی پانچواں بھی آرہا ہے۔" وہ مسکرائی۔ خوشی اس کے وجود کے ہر حصے سے پھوٹ رہی تھی۔

"کون جوزی؟" وہ سمجھ گیا تھا کہ خوش جمال نے ضرور اسے خبر کر دی ہو گی۔ تب ہی ڈور بیل ہوئی تھی اور خوش جمال لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی۔ اور پھر فوراً ہی جوزی کے ساتھ واپس آئی تھی۔ جوزی نے سب کو مشترکہ سلام کرنے کے بعد مبارک دی اور پھر ہاتھ میں پکڑا چاکلیٹ کا چھوٹا سا ڈبا مصطفےٰ کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔

"آپ کے لیے اس خوشی کے موقع پر۔"

وہ اس روز کے بعد آج جوزی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ناک تھوڑی سوجی ہوئی تھی اور ناک کے ساتھ رخسار پر ہلکا نیل تھا۔ اس نے نیٹ کا سفید ٹخنوں تک لمبا فراک پہنا ہوا تھا، جس میں کہیں کہیں سفید نگینے جگمگاتے تھے۔ اور اس نے اپنے بالوں کو ایک سفید رنگ کے سلکی رومال سے باندھا ہوا تھا اور ایسا ہی ایک سفید سلکی رومال گلے میں لٹکایا ہوا تھا۔ وہ بغیر میک اپ کے سادہ سے چہرے کے ساتھ بھی اسے اچھی لگ رہی تھی۔ لیکن یہ نیل۔ وہ پوچھنا ہی چاہتا تھا۔ کہ خوش جمال نے ٹیبل کے پاس کھڑے کھڑے آواز دی۔

"سب فوراً آجائیں نہیں تو ہر چیز ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

چائے بہت خوشگوار ماحول میں دلچسپ باتوں کے درمیان پی گئی تھی۔ محی الدین اور فاطمہ چائے پی کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ تینوں لاؤنج میں آکر باتیں کرنے لگے تھے۔

"ہم بہت جلد ایک شاندار دعوت کریں گے اس خوشی میں۔" خوش جمال دعوت پلان کر رہی تھی، جب اس کی کسی کولیگ کا فون آگیا تو وہ معذرت کرتی ہوئی اٹھ گئی اب وہ دونوں اکیلے تھے۔

"یہ بہت معمولی ہے۔" جوزفین نے خوش جمال کے جانے کے بعد چاکلیٹ کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے لیے بہت قیمتی ہے۔" مصطفےٰ نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی اس کے رخسار گلگوں ہو گئے۔

"یہ نیل۔ کیا گر گئی تھیں؟" مصطفےٰ اس کا نیل دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔ اس رات ممی نے مارا تھا۔" جوزفین کی نظریں جھک گئیں اور مصطفےٰ کے اندر کوئی پرانا درد جاگا۔

"ایلن ناراض ہو کر چلا گیا تھا اور ممی بہت غصے میں تھیں۔"

"تم اپنی ممی کے ساتھ کیوں نہیں گئیں۔ کیا ان کے دوسرے ہزبینڈ نے تمہیں رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔" مصطفےٰ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔ وہ اچھے آدمی تھے۔ پیار کرتے تھے مجھ سے۔" وہ سر جھکائے بتا رہی تھی۔

"میں خود ممی کو چھوڑ کر چلی آئی تھی۔ پاپا مجھے ملنے آئے تھے تو میں ممی کو بتائے بغیر ان کے ساتھ آگئی۔"

"کیوں؟" مصطفےٰ نے پوچھا۔ "تم اپنی ممی کے پاس رہتیں تو کم از کم سوتیلی۔ ممی کے ظلم سے بچ جاتیں۔"

"دراصل میں ممی سے ناراض تھی۔ مجھے ان پر بہت غصہ تھا۔"

"تم کیوں ناراض تھیں ان سے جوزی۔؟"

"وہ مارتھا ممی سے زیادہ ظالم تھیں انہوں نے ہادی

کو گھر سے نکال دیا تھا۔"

"ہادی۔" وہ چونکا۔

"ہاں ہادی۔ ان کا سوتیلا بیٹا۔ وہ اسے بہت مارتی تھیں اور انکل حبیب سے اس کی جھوٹی شکایتیں لگاتی تھیں۔"

"تم۔" مصطفیٰ نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "تم مشاعل ہو؟"

"ہاں۔ لیکن تمہیں کیسے پتا۔ یہ میرا فرسٹ نیم ہے۔ پاکستان میں سب مجھے فرسٹ نیم سے بلاتے تھے یہاں مارتھا ممی مجھے جوزی کہہ کر بلانے لگیں۔"

"میں۔ میں ہادی ہوں۔"

اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "لیکن تم تو؟"

اس کا منہ تھوڑا سا کھلا تھا اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہاں وہی ... ہادی کی آنکھیں تھیں۔

"مشاعل۔ مشاعل بی لیومی۔ میں ہادی ہی ہوں۔"

اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑا۔

"ہادی تو ماما مجھے پیار سے بلاتی تھیں۔ میرا اصل نام تو غلام مصطفیٰ ہی ہے۔"

"یہ کیسی کہانیوں جیسی بات ہوئی ہے نا۔؟"

وہ اسے دیکھ رہا تھا اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا جب خوش جمال نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ ایک لمحہ کے لیے وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اور اس کا دل ڈوب گیا۔

"خوشی۔ خوشی!" مصطفیٰ نے اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے خوش جمال کی طرف دیکھا۔

"یہ۔ یہ مشاعل ہے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے۔" اور خوش جمال کا ڈوبتا دل جیسے ڈوب کر ابھرا اور وہ قدم بڑھا کر اس کے قریب آئی۔ تو وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر اسے تفصیل بتانے لگا۔ اور پھر تفصیل بتاتے بتاتے اسے خوش جمال کی بات یاد آئی تو اس نے جوزفین کی طرف دیکھا۔

"خوش جمال نے کہا تھا تم جب کبھی مجھے ملو تو مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ تم میرا خیال رکھتی تھیں۔ اور۔"

"کچھ رشتوں میں شکریہ اور سوری تکلیف دیتے ہیں۔" اس نے مصطفیٰ کی بات دہرائی تو وہ بے اختیار ہنس دیا۔ خوش جمال بھی مسکرا دی۔

"جب پہلی بار میں نے مصطفیٰ کو دیکھا تو مجھے اس کی آنکھیں بہت جانی پہچانی لگی تھیں جیسے میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو ان آنکھوں کو۔"

وہ خوش جمال کو بتا رہی تھی اور مصطفیٰ کے دل میں برسوں پرانا دکھ جاگ اٹھا تھا۔ کہ وہ پاپا کو نہیں بتا سکا تھا کہ اس نے سنی کو نہیں گرایا۔ اور وہ اس سے ناراض ہی چلے گئے۔

انکل کو کراچی میں بہت دن لگ گئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے ہادی کو بہت ڈھونڈا۔ تھانے میں بھی رپورٹ لکھوائی تھی۔ انہوں نے دبئی میں کسی کے ساتھ پارٹنر شپ کی تھی انہیں ہر صورت وہاں جانا تھا ہادی کی وجہ سے پہلے ہی وہ لیٹ ہو گئے تھے۔ وہ ضروری کام کر کے دبئی سے واپس آئے تو ممی نے انہیں بتایا کہ تھانے سے آدمی آیا تھا انہیں ایک دس گیارہ سالہ بچے کی لاش ملی تھی جنگل سے۔ ممی گئی تھیں لاش دیکھنے۔ لاشیں مسخ ہو گئی تھیں لیکن ممی نے اس کے لباس سے اور جوتوں سے پہچان لیا تھا وہ ہادی ہی تھا۔ لاش کی حالت صحیح نہیں تھی۔ اس لیے ممی گھر نہیں لائی تھیں۔ اور اسے تھانے والوں نے ہی دفنا دیا تھا۔ پہلے مجھے لگا تھا ممی جھوٹ بول رہی ہیں۔ لیکن جب انکل خود تھانے گئے تو انہیں ایس ایچ۔ او نے بتایا کہ ایک لاش ملی تھی اور آپ کی وائف آئی تھیں اور انہوں نے پہچانا تھا۔ اس روز میں اور مینو بہت روئے تھے۔ اور انکل کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا وہ ہر وقت کمرے میں لیٹے رہتے اور ہادی کی تصاویر دیکھتے رہتے۔ اور یہ وہی دن تھے جب پاپا مجھے ملنے آئے تھے اور میں چپکے سے پاپا کے ساتھ چلی آئی تھی۔"

وہ خوش جمال کو بتا رہی تھی اور وہ ساکت سا سن رہا تھا۔

"پہلے میں پاپا کے ساتھ لاہور آئی جہاں وہ پڑھاتے تھے۔ پاپا نے ممی کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے آئے ہیں۔ ممی بہت چیخی چلائی تھیں پاپا نے فون بند کر دیا تھا۔ پھر چند ماہ بعد ہم کراچی آ گئے۔ اب مجھے ممی یاد آئی تھیں۔ میں نے لاہور سے ایک بار انہیں فون کیا تھا۔ تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر پاپا مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں تو وہ ان پر کیس کر دیں گی۔ لیکن میں نے کہا کہ میں خود آئی ہوں اپنی مرضی سے اور میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ بعد میں ایک دو بار میں نے انہیں فون کیا تو انہوں نے میری آواز سنتے ہی فون بند کر دیا۔"

"اور پاپا۔ میرے پاپا کو کیا تم نے یا مینو نے بتایا تھا کہ میں نے سنی کو نہیں گرایا تھا اور تمہاری ممی نے جھوٹ بولا تھا۔"

وہ ذرا سا خاموش ہوئی تو مصطفیٰ نے یکدم پوچھا وہ ابھی تک اسی دکھ کے حصار میں تھا۔

"ہاں۔ انکل کو پتا تھا۔ انہوں نے گیٹ کے باہر لکھا ہوا پڑھ لیا تھا اور پھر انہوں نے مینو سے اور مجھ سے پوچھا تھا تو ہم نے بھی بتا دیا تھا۔"

"تھینک گاڈ! پاپا مجھ سے ناراض نہیں تھے۔"

اسے لگا جیسے برسوں سے اس کے دل پر دھرا بوجھ ہٹ گیا ہو اور وہ ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔

"تمہارے پاپا تمہیں یاد کر کے بہت روتے تھے ہادی۔"

وہ اب اس کے لیے غلام مصطفیٰ نہیں ہادی تھا۔ غلام مصطفیٰ سے وہ تکلف سے بات کرتی تھی لیکن ہادی سے بے تکلفی سے بات کر رہی تھی۔ تب ہی مصطفیٰ کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر روفی کا نام چمک رہا تھا۔ وہ فون آن کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ گاہے گاہے وہ اس کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو حیران کن خوشی کے ساتھ خوشی جمال کو ان دنوں کے متعلق بتا رہی تھی جب وہ اور ہادی ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے فاطمہ! نیند نہیں آ رہی کیا؟" انہیں کروٹیں بدلتے دیکھ کر محی الدین نے ہاتھ میں پکڑی کتاب تکیے کے پاس اوندھی کر کے رکھی۔

"کیا عبدالہادی یاد آ رہا ہے؟"

"وہ بھولتا کب ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ اللہ ہمارے مصطفیٰ کو نظر بد سے بچائے۔

"آمین۔!" انہوں نے بغور فاطمہ کو دیکھا۔ "کوئی پریشانی ہے فاطمہ۔"

"نہیں تو بس یونہی سوچ رہی تھی وقت کتنی جلدی گزر گیا۔ کل مصطفیٰ اور خوش جمال بچے تھے آج شادی کے قابل ہو گئے ہیں۔"

"شادی پر یاد آیا تم نے خوش جمال سے اس رشتے کے متعلق بات کی؟ سیف اللہ بہت تعریف کر رہا ہے اس کے داماد کا بھائی ہے۔ اس کی بیٹی اپنے گھر میں بہت خوش ہے مجھے تو یہ رشتہ بہت مناسب لگا ہے۔"

"ہاں لیکن خوش جمال نے منع کر دیا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" محی الدین کو حیرت ہوئی۔

"وہ اگر چاہے تو مل لے۔ میں اسے معیوب نہیں سمجھتا اگر وہ۔" "نہیں ایسی بات نہیں ہے۔" فاطمہ نے ان کی طرف دیکھا۔

"پھر کیا بات ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"آپ نے کبھی سوچا کہ وہ ہر رشتے سے انکار کر دیتی ہے۔ حالانکہ اس کے لیے جتنے بھی رشتے آئے سب اچھے تھے۔" فاطمہ نے آہستگی سے کہا۔

"تو کیا کوئی اور۔؟" ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"اور کون ... اپنا مصطفیٰ؟" فاطمہ کو بھی تو کل ہی پتا چلا تھا کہ خوش جمال مصطفیٰ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ انہوں نے کل جب اس رشتے کا ذکر کیا تھا اور اس نے انکار کر دیا تھا تو اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہیں یک دم ادراک ہوا تھا اور جب انہوں نے تصدیق چاہی تھی تو اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"کیا مصطفیٰ بھی یہی چاہتا ہے۔؟" محی الدین کے اندر جیسے ایک ساتھ بہت سے پھول چٹکے تھے دل میں

دبی خواہش کی کونپل مٹی کا سینہ چیر کر باہر نکل آئی تھی۔ اگر ایسا ہو جائے تو بھلا اس سے اچھا کیا ہو سکتا ہے۔

"پتا نہیں۔" فاطمہ نے بے چینی سے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑا۔ "لیکن دونوں کا آپس میں بہت جوڑ ہے' میرا مطلب ہے دونوں ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ آپ بات کریں نا مصطفیٰ سے۔"

"میں۔" محی الدین نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اگر اس کا ایسا کوئی خیال ہوتا تو وہ خود ذکر کرتا۔"

"بچہ ہے اب وہ کیا کہے گا۔ یہ تو ہمیں خود سوچنا ہے۔" فاطمہ ماں تھیں' ان کے دل میں بیٹی کا خیال تھا۔

"لیکن فاطمہ! جب میں نے سیف اللہ کے بتائے رشتے کا ذکر کیا تھا مصطفیٰ سے' تو اس نے تعریف کی تھی لڑکے کی اور خوشی کا اظہار کیا تھا۔" "نہیں اچانک خیال آیا تھا۔

"لیکن آپ بات کریں گے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔" فاطمہ اس وقت صرف خوش جمال کی ماں بن کر سوچ رہی تھیں۔

"ہاں۔ وہ انکار نہیں کرے گا فاطمہ! میں جانتا ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ سوچے کہ ہم نے اس لیے اسے پالا پوسا ہے کہ آج اس سے اس احسان کا بدلہ لیں۔ نہیں فاطمہ! تم خوش جمال سے پھر بات کرو کہ وہ اس رشتے کے متعلق سوچے اور تم بھی اب سو جاؤ۔"

انہوں نے لیٹتے ہوئے کروٹ بدل لی تھی۔ لیکن فاطمہ کی آنکھوں سے نیند دور تھی۔ اس نے خوش جمال کی آنکھوں میں مصطفیٰ کے نام پر جلتے دیے دیکھے تھے۔ وہ کیسے ان دیوں کو بجھا دیتیں۔ وہ کیسے اپنی بیٹی کی خوشی چھین لیتیں۔ ایک بار بات کر لینے میں کیا حرج تھا۔ سو انہوں نے صبح ناشتے کے بعد جب مصطفیٰ لاؤنج میں بیٹھا ٹی۔ وی دیکھتے ہوئے "جوزے" کے فون کا انتظار کر رہا تھا' مصطفیٰ سے بات کرنے کا سوچا اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

"مصطفیٰ! میں سوچ رہی ہوں تمہارے میچز کے بعد تمہاری اور خوش جمال کی شادی کر دیں۔" مصطفیٰ نے ریموٹ سے آواز آہستہ کی۔

"کیا خوش جمال نے اس انجینئر کو اوکے کر دیا۔ وہ انکل سیف اللہ کے داماد کا بھائی۔" وہ مسکرایا۔

محی الدین صحیح کہتے تھے اس کے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ فاطمہ نے ایک گہری سانس لی۔

"نہیں۔ دراصل۔ وہ میں نے سوچا تمہاری اور خوش جمال کی شادی۔" وہ اٹکیں۔ "تم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہو گے۔ اور ہماری آنکھوں کے سامنے رہو گے' باہر کہیں رشتہ کرتے ہوئے دل ڈرتا ہے سو طرح کے وہم آتے ہیں۔"

وہ سر جھکائے کہہ رہی تھیں اور وہ ساکت بیٹھا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی تھی وہ دم توڑ چکی تھی۔ انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو ان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اگر خوش جمال ان کے دل کا ٹکڑا تھی تو وہ بھی تو دل کا ٹکڑا ہی تھا۔ بے شک انہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا لیکن وہ انہیں خوش جمال سے کم عزیز نہیں تھا۔

"بیٹا! یہ صرف ہماری خواہش ہے کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے' اگر تمہارا دل نہیں مانتا تو کوئی بات نہیں۔ میرے دل میں ایک خیال آیا تو میں نے کہہ دیا۔"

وہ دل گرفتی سے کہتی ہوئی لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔ اور وہ وہاں ہی بیٹھا رہا۔ ابھی تو اس کے دل میں محبت کی کونپل پھوٹی تھی۔ ابھی تو اسے اس جذبے کا ادراک ہوا تھا۔ ایک انوکھا سا خوب صورت سا احساس' اس کے دل کو گل رنگ کیے رکھتا تھا۔ ابھی تو اس نے اس وادی میں قدم رکھا تھا اور۔

"کیا وہ اماں اور بابا کی خواہش پر اپنی محبت قربان کر سکتا ہے۔؟"

اس نے خود سے پوچھا۔ بابا نے اسے اس وقت گلے لگایا تھا' سہارا دیا تھا' جب مشاعل کی ممی نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اگر وہ اسے سہارا نہ دیتے تو وہ آج یہاں نہ ہوتا جہاں ہے۔ شاید جنگل میں ملنے والی لاش اس کی ہوتی اور اماں۔

اماں کے لمس میں اس نے ماں کا لمس تلاشا تھا' اماں جب سردیوں کی راتوں میں اٹھ کر نیچے گرا ہوا کمبل اس پر ڈالتیں تو اس کی آنکھ کھل جاتی تھی اور اسے ماما یاد آ جاتیں۔ کیا ماما اس سے اس سے زیادہ محبت کر پاتیں' جتنی اماں نے اس سے کی تھی؟

اور خوش جمال۔ کیا وہ بھی؟

اس نے سوچا اس روز اس نے سارا دن خوش جمال کو ادھر ادھر آتے جاتے کام کرتے دھیان سے دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس سے باتیں کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جو دیپ جل اٹھتے تھے۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی پلکوں کا اٹھنا اور گرنا اس کے محبت آشنا دل نے اسے یقین دلایا کہ یہ محبت ہے۔ پہلے وہ نہیں جانتا تھا لیکن اب جان گیا تھا۔ اسے لگا کہ وہ اماں' بابا اور خوش جمال کی خواہش قربان کر کے اپنی محبت کے ایوان نہیں سجا سکتا۔ ہاں وہ ان کی خواہش پر اپنی محبت قربان کر سکتا ہے۔ اور اس نے فاطمہ کے سامنے سر جھکا دیا۔

"اماں جان! آپ نے اور بابا نے میرے لیے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ مجھے دل و جان سے قبول ہے۔"

اور فاطمہ نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دیں۔ لیکن اس کے اندر برسات ہو رہی تھی۔ اپنی نئی نویلی محبت کے مرجانے پر ماتم بپا تھا۔ پہلی محبت کے بچھڑ جانے کا دکھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پورے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ خوش جمال تتلی کی طرح اڑتی پھرتی تھی۔ خوش گلو پرندوں کی طرح چہکتی پھرتی تھی۔ اور اس کے چہرے پر ست رنگی خوشیوں کے رنگ دمکتے تھے۔ اور یہ رنگ پہلے اسے نظر کیوں نہیں آئے۔ اس نے اپنے دل میں خوش جمال کے لیے ایسا جذبہ کیوں محسوس نہیں کیا' جو جوزی کے لیے کیا تھا۔

جوزی نے تو اسی روز اس کے دل میں اپنی محبت کا بیج بو دیا تھا' جس روز اس نے پہلی بار اسے اپنے گھر سے باہر روتے دیکھا تھا اور ادراک اسے اب ہوا تھا۔ کاش یہ ادراک اسے کبھی نہ ہوتا۔ اس کا نوخیز دل پہلی پہلی محبت کا دکھ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ مچی تھی اور آنکھوں میں دھول اڑتی تھی اور اس دھول کو سب سے پہلے خوش جمال نے محسوس کیا۔ وہ خوش جمال تھی جو ہمیشہ اس کے دل میں اتر کر اس کی پریشانی جان لیتی تھی تو اب کیسے نہ جان پاتی۔

دو تین روز تو وہ اپنی ہی خوشی میں مگن رہی تھی۔ لیکن اب وہ اسے دیکھ رہی تھی غور کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر کھلتے ست رنگی خوشیوں کے پھول مرجھائے جا رہے تھے۔

مصطفیٰ نے صرف اماں اور بابا کی خواہش کا احترام کیا ہے۔ ورنہ اس کا دل اسے اس روپ میں قبول نہیں کر رہا' وہ جان گئی تھی۔

لیکن کیا کوئی اور۔؟

اور جوزی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

چور نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھتی۔

مصطفیٰ کے نام پر لبوں پر چمکتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں اترتی جگمگاہٹیں۔

"تو جوزی؟"

ایک لمحہ کے لیے اس کے اندر اندھیرے اتر آئے' مصطفیٰ جوزی سے محبت کرتا ہے۔

"لیکن۔ میں اسے اتنا چاہوں گی۔ اتنا خیال رکھوں گی کہ وہ جوزی کو بھول جائے گا۔ میرا اور اس کا تو سالوں کا ساتھ ہے اور جوزی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے مصطفیٰ کی خواہش کو نظر انداز کیا تھا اور پہلی بار وہ اپنے لیے خود غرض ہو گئی تھی۔ ورنہ اب تک تو وہ مصطفیٰ کے لیے اپنی چھوٹی چھوٹی خواہش اور خوشیاں قربان کرتی آئی تھی۔ لیکن اس روز اسے لگا وہ خود غرض نہیں ہو سکتی۔

اس روز رونی مصطفیٰ سے ملنے آیا تھا۔ پرتگال سے

تعلق رکھنے والا یہ کھلاڑی بہت خوش مزاج اور مخلص تھا۔ اور اسے بھی جوزے نے ہی ہائیر کیا تھا۔ وہ لنچ ٹائم تھا اور وہ مصطفیٰ سے پوچھنے آئی تھی کہ رونی لنچ کرے گا یا چائے بنالوں ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر لحہ بھر رک کر اس نے اپنا اسکارف درست کیا تھا جب اس نے رونی کو کہتے سنا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے غلام مصطفےٰ۔ جوزے بہت پریشان ہے پریکٹس میچز میں تمہاری کارکردگی دیکھ کر۔ انتظامیہ کی طرف سے دباؤ ہے۔ صحافی بھی کہہ رہے ہیں کہ جوزے پچھتانے والا ہے' اس لیے اسے پہلے ہی اپنے فیصلے پر نظرثانی کرلینی چاہیے۔ جوزے نے مجھے بھیجا ہے اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے تو ہم سے شیئر کرو۔ ہو سکتا ہے ہم تمہاری کوئی مدد کرسکیں۔"

اور وہ وہاں ہی ٹھہر کر ان کی باتیں سننے لگی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو رونی۔! مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ جیسے میں اب کھیل نہیں پاؤں گا۔ جیسے میرا دل مر رہا ہے ہولے ہولے۔ اور میں ختم ہو رہا ہوں دھیرے دھیرے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ کہیں تمہیں بھی اپنے بھائی کی طرح TACHYCARDIA کی بیماری تو نہیں ہے۔ میں جوزے کو بتاتا ہوں وہ بہترین ڈاکٹرز سے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے رونی۔! بس میرا دل۔ میرا خیال ہے' میں اب کبھی نہیں کھیل سکوں گا۔ جوزے کو چاہیے کہ وہ انتظامیہ کو مطلع کردے۔"

خوش جمال کا دل جیسے اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا تھا وہ مصطفیٰ سے کچھ پوچھے بنا واپس کچن میں آئی تھی۔

"نہیں' تم کھیل نہیں چھوڑ سکتے مصطفیٰ! بابا کا خواب' ان کی خوشی۔ بلکہ ہم سب کا خواب غلام مصطفےٰ عظیم فٹ بالر۔۔۔ نہیں۔"

اس نے اپنے دل کے کئی ٹکڑے ہوتے محسوس کیے۔

وہ کھلاڑی کی بیٹی تھی۔ اس کے بابا فٹ بالر تھے۔ اس کے دادا کو فٹ بال سے عشق تھا۔ اس کا بھائی۔ اس کا تیرہ سالہ بھائی۔ فٹ بال کے گراؤنڈ میں ایک حیرت انگیز کک لگاتے ہوئے دنیا سے چلا گیا تھا۔ فٹ بال سے محبت اس کی گھٹی میں تھی۔ اور وہ مصطفےٰ سے بھی محبت کرتی تھی' وہ اسے ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ فیصلہ کرتے ہوئے اس نے اپنے دل کو ہزاروں کرچیوں میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ اور ٹرالی میں چائے کا سامان لگاتے ہوئے اس کے آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے رہے۔ لیکن رونی کے جانے کے بعد جب وہ مصطفیٰ کے کمرے میں گئی تو اس کی آنکھیں خشک تھیں' گو اندر اب بھی برسات ہو رہی تھی اور یہ برسات نہ جانے کب تک ہونی تھی۔

مصطفیٰ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سامنے دیوار پر نظریں جمائے جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جب تم فارغ ہو کبھی تو انکل سیف اللہ کے نواسے کی مبارک باد دے آئیں۔ اماں بتا رہی تھیں عافیہ اور اس کے میاں' ہم دونوں کا پوچھ رہے تھے۔"

"اب تو فارغ ہی فارغ ہوں جب کہو چلے چلتے ہیں۔" اس کے لہجے میں کیا تھا ایسا جس نے خوش جمال کو اندر تک ہلا دیا۔ اور وہ جو ابھی تک طے نہیں کرپائی تھی کہ کیسے بات شروع کرے' ایک دم اس نے پوچھا۔

"مصطفیٰ! جوزی تمہیں کیسی لگتی ہے۔"

"کیا مطلب کیسی لگتی ہے؟" مصطفیٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "اچھی لڑکی ہے اور تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو اسے۔"

"ہاں لیکن تم تو اسے اس کے بچپن سے جانتے ہو۔" مصطفیٰ نے صرف اثبات میں سرہلایا۔

"دراصل۔" خوش جمال جو کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی بیٹھ گئی۔ "اماں اور میں سوچ رہے ہیں کہ جوزی کو تمہارے لیے مانگ لیں۔"

"کیا۔؟" مصطفیٰ کی حیرت واضح تھی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"وہی جو تم نے سنا۔" وہ شعوری کوشش سے مسکرائی۔

"لیکن۔" اس نے نفی میں سرہلایا۔ "یہ کیسے۔"

"اماں نے تم سے اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا اور تم نے اچھے بچوں کی طرح اس خواہش پر سر جھکا دیا۔ لیکن میں تمہاری طرح اچھی بچی نہیں ہوں' اور میں نے تمہارے لیے جوزی کو پسند کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کے ساتھ خوش رہو گے۔" اور اس نے ہونٹ مزید پھیلائے۔

"تم اس سے محبت کرتے ہو مصطفیٰ؟" وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور دل تھا کہ تکرار کیے جاتا تھا کہ وہ کہہ دے کہ میں تو جوزی سے محبت نہیں کرتا۔ لیکن مصطفیٰ نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا' اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ وہ بے حد مضطرب سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے دو تین بار بے یقینی سے خوش جمال کی طرف دیکھا۔ وہ خوب صورت تھی۔ جوزی سے زیادہ خوب صورت' لیکن دل تو جوزی کے نام پر دھڑکا تھا۔

"تمہارا کیا خیال تھا کہ میں تمہارے دل کا حال نہیں جانتی۔" خوش جمال نے نگاہیں جھکالیں۔ "اب جلدی سے بتاؤ۔ میں اور اماں کس روز جوزی کے گھر جائیں۔"

"ابھی نہیں۔ پہلے میں خود جوزی سے بات کرلوں۔"

"ہیں تو کیا تم نے ابھی تک اس سے بات نہیں کی؟"

خوش جمال نے آنکھیں پھیلائیں۔ اور خود کو اس اداکاری پر آسکر ایوارڈ کا حق دار قرار دیا۔ دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا وہ ہنس رہی تھی۔

"تم کس تردد میں پڑ گئے ہو غلام مصطفےٰ میں' بابا اور اماں' ہم سب تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔ اور کل ہم جوزی کے گھر۔"

"نہیں خوش جمال! ابھی نہیں' کہا نا پہلے میں اس سے بات کرلوں۔"

وہ ابھی تک متذبذب سا خوش جمال کو دیکھ رہا تھا۔ کیا پہلے اس کی آنکھوں نے دھوکا کھایا تھا یا آج دھوکا کھا رہی ہیں۔ اس کا فون بج رہا تھا۔

"فون تو اٹھاؤ مصطفیٰ؟" خوش جمال نے کہا تو اس نے چونک کر فون اٹھایا۔ دوسری طرف جوزے تھا۔

"جی سر۔ میں کچھ اپ سیٹ تھا اس لیے۔"

"تم لوگوں کی پروا مت کرو غلام مصطفےٰ۔ وہ جب تمہارا کھیل دیکھیں گے تو انہیں یاد نہیں رہے گا کہ تم کون ہو۔ مجھے شرمندہ مت ہونے دو۔" جوزے کہہ رہا تھا۔

"سر۔ میں آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔"

"ان شاء اللہ!" خوش جمال نے آہستگی سے کہا اور اسے باتیں کرتا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اب اس میں مزید وہاں کھڑے ہونے کی ہمت نہیں تھی۔ اور ابھی اسے اماں سے بھی بات کرنا تھی۔ جو بے حد خوش تھیں۔ اندر جوزے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

"میں نے تم پر اس لیے محنت نہیں کی تھی کہ تم ہمت ہار کر کھیلنا ہی چھوڑ دو فوراً" مجھے ملو۔"

اور کچھ ہی دیر بعد وہ تیار ہو کر گھر سے نکل رہا تھا خوش جمال نے اپنے کمرے سے اسے جاتے دیکھا اور دل گرفتی سے سوچا کہ اس نے اپنی محبت کھو کر اس کا کیریر بچالیا تھا۔ اس نے ایک فٹ بالر کو ضائع ہونے سے بچالیا تھا۔ لیکن اس کا اپنا دل جو۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکلے اور اس کے رخسار بھگو گئے۔ اسے یقین تھا کہ اب مصطفیٰ دل لگا کر کھیل سکے گا اور ایسا ہی ہوا تھا' اگلے چند میچز میں اس نے شان دار گول داغے تھے' اور شائقین نے اسے بے تحاشا سراہا تھا اور جوزے کے فیصلے پر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

اسے ابھی تک جوزی سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوبار اس نے اسے فون بھی کیا تھا۔ لیکن اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ آج اس کا ارادہ اس کے اسٹور پر جانے کا تھا۔ وہ جوزے کے ساتھ اولڈ ٹریفڈ سے نکلا' تو صحافیوں نے اسے گھیر لیا تھا وہ اس سے مختلف سوال کر رہے تھے۔ جوزے کی مدد سے بمشکل ان سے جان چھڑا کر وہ اپنی کار تک آیا تھا۔ اور کار میں

بیٹھتے ہوئے جب اس نے وقت دیکھا تو نو بج رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ اسٹور بند ہو چکا ہو گا اور..... خیر کل سہی۔ وہ بہت آرام سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ خوش جمال کے متعلق کچھ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔ چند دن پہلے اسے لگا تھا کہ وہ بہت خوش ہے۔ عام دنوں سے زیادہ ۔اور اب بھی وہ اسے غم زدہ نظر نہیں آئی تھی اور اس نے جوزی کے ساتھ اس کی شادی کے حوالے سے کافی باتیں کی تھیں۔

پچھلے دو دن سے وہ انکل سیف اللہ کے ہاں تھی۔ اور اس نے فاطمہ کو فون کر دیا تھا کہ عافیہ گھر آئی ہوئی ہے اور وہ مجھے آنے نہیں دے رہی۔ عافیہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ اس نے گاڑی کا رخ انکل سیف اللہ کے گھر کی طرف موڑا۔ وہ ایک بار پھر خوش جمال سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر آدھے راستے سے ہی پلٹ پڑا۔ نہیں بھلا میں کیا کہوں گا اس سے۔ میں خوامخواہ ہی پریشان ہو رہا ہوں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ جوزی کا نام کیوں لیتی اس کے سامنے۔ اب وہ پھر گھر کی طرف جا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس نے بریک پر پاؤں رکھا تھا' سامنے سے کوئی دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ اور اس کے پیچھے دو آدمی تھے۔ "بچاؤ۔ بچاؤ۔" دوڑنے والی لڑکی تھی اور چلا رہی تھی۔

"ہیلپ' ہیلپ!" وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ لڑکی کے پیچھے بھاگنے والے آدمی اس کے سامنے رک گئے تھے' غیر ارادی طور پر لڑکی کو اس نے بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ اور ابھی وہ ان سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا' کہ وہ دونوں آدمی اس پر پل پڑے' ان کے ہاتھوں میں موٹے ڈنڈے تھے۔ زمین پر گرتے ہوئے اس نے اس لڑکی طرف دیکھا۔ "بھاگ جاؤ۔" لیکن وہ اطمینان سے کھڑی تھی۔ دونوں آدمی اسے بُری طرح مار رہے تھے۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔

"ٹانگیں توڑ دو۔"

بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے لڑکی کی آواز سنی تھی۔ لیکن سر پر پڑنے والی چوٹ نے اسے کچھ سوچنے نہیں دیا تھا بے ہوش ہونے سے پہلے اس کے کانوں میں کسی گاڑی کی آواز آئی تھی اور ساتھ ہی لڑکی کی آواز۔

"بھاگو۔ جلدی۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔ دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسپتال میں تھا' سب سے پہلے اس کی نظر جس چہرے پر پڑی' وہ محی الدین کا تھا اور ان کے ساتھ ہی جوزے تھا' پریشانی جس کے چہرے سے جھلکتی تھی۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر دونوں ایک ساتھ اس پر جھکے تھے۔

"کیا ہوا۔ کیسے ہوا یہ سب۔؟" کیا ہوا تھا اس نے ذہن پر زور دیا اور اٹھنے کی کوشش کی' ٹانگوں میں درد کی ٹیس اٹھی تھی۔

"تم سڑک پر زخمی حالت میں ملے تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ پولیس کی ایک پٹرول کار نے تمہیں دیکھ لیا اور اسپتال پہنچایا۔" محی الدین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اٹھنے سے منع کیا۔

"تو بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے گاڑی کی جو آواز سنی تھی وہ پولیس کی پٹرول کار تھی۔ اس نے سوچا۔ سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ جوزے۔ تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ابھی وہ ڈاکٹر سے تفصیلی بات کر کے آ رہا تھا۔ اگرچہ ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی' لیکن فریکچر ہوا تھا اور بیس سے پچیس دن تک کے لیے پلاسٹر لگنا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ اپریل میں ہونے والے یورپین چیمپینز لیگ کے مقابلوں میں وہ شرکت نہیں کر سکے گا۔ تشویش میں مایوسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا تھا کیا کوئی؟" اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ساری بات بتا دی۔

"او مائی گاڈ! کیا ضرورت تھی ہمدردی کرنے کی؟" جوزے کی مایوسی غصے میں ڈھل گئی۔ "کیا تم نہیں جانتے تھے کہ یہ میچز تمہارے کیریر کے لیے کتنے اہم تھے..... کم از کم تین ماہ سے پہلے تم کسی میچ میں شرکت نہیں کر سکتے..... میں نے کئی ڈاکٹروں سے بات کی ہے۔ پلاسٹر کھلنے کے بعد بھی تمہیں ریسٹ اور ورزش کی ضرورت ہو گی۔"

مصطفیٰ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ وہ خود اور اس کا خاندان سب ان میچز کے متعلق کتنے پرجوش ہے۔ فاطمہ اور خوش جمال ہر لمحہ اس کی کامیابیوں کے لیے دعاگو تھیں۔ اور اسے گمان سا تھا کہ خوش جمال.....

اس نے معذرت طلب نظروں سے جوزے اور محی الدین کو دیکھا' اور اپنی نم پلکوں کو انگلیوں سے پونچھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کسی انسان کی مدد کرنا میرے لیے میرے کیریر سے زیادہ اہم ہے سر۔ انسان کیریر سے زیادہ اہم ہے..... میں نہیں جانتا تھا کہ دھوکا اور فراڈ ہے..... میرے سامنے ایک عورت تھی جو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔"

"اٹس اوکے!" جوزے کے چہرے کے سخت عضلات نرم ہوئے تھے۔ اور محی الدین کی آنکھوں میں اس کے لیے ستائش تھی۔

"تم نے ٹھیک کہا۔"

جوزے نے اس کے کندھے تھپکے۔

"ورلڈ کپ تمہارا منتظر ہے ینگ مین۔ تم صحت مند ہو کر یقیناً" ورلڈ کپ میں شرکت کر سکو گے بلکہ اس سے پہلے والے میچز میں بھی....."

تب ہی دروازے کو ہلکا سا ناک کر کے ڈیوڈ اندر داخل ہوا۔

"ہیلو مصطفیٰ..... تمہارے حادثے کا بہت افسوس ہوا۔" مصطفیٰ اور محی الدین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بہتر ہوں' لیکن تمہیں کیسے پتا چلا۔" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"وہ ایلین نے بتایا شاید اسے جوزی نے بتایا ہو۔ میں پریشان ہو کر چلا آیا زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟"

محی الدین بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پولیس کے فون پر وہ گھر میں کسی کو بتائے بغیر اسپتال آئے تھے اور پھر ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے مصطفیٰ کے فون پر جوزے کی کئی مس کالز کے بعد ایک کال اٹینڈ کر کے اسے اس حادثے کا بتایا تھا۔

"بائیں ٹانگ میں فریکچر ہے۔"

جوزے بے حد ناراض نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ڈیوڈ نے اسے بہت مایوس کیا تھا۔ لڑکیاں اور شراب۔ اسے تباہ کر رہی تھیں۔ آج اگر وہ فٹ ہوتا تو اسے مصطفیٰ کے حادثے سے اتنی پریشانی نہ ہوتی اسے۔

"اوہ!" ڈیوڈ کے چہرے پر یک دم چمک آئی تھی۔

"پھر تو یہ اپریل میں ہونے والے مقابلوں میں شرکت نہیں کر سکے گا۔"

"بہت افسوس کے ساتھ بدقسمتی سے یس۔"

جوزے اپنے لہجے کی تلخی چھپا نہیں سکا تھا۔ مانچسٹر یونائیٹڈ کلب کی کامیابیاں اس کی زندگی کا حاصل تھیں اسے اس کلب اور فٹ بال سے عشق تھا۔

"کبھی کبھی ہمدردی مہنگی بھی پڑ جاتی ہے اور....."

وہ بات کرتے کرتے کسی خیال سے اچانک خاموش ہو گیا تھا..... مصطفیٰ اور محی الدین کی نظریں بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف اٹھی تھیں۔

ان تینوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے..... مصطفیٰ کو یاد آیا کہ جب اس نے محی الدین سے ڈیوڈ کے رویے کا شکوہ کیا تھا تو انہوں نے کہا تھا۔

"یاد رکھو مصطفیٰ! جب کوئی دوست بغیر وجہ کے نظر چُرانے لگے' چھپنے لگے اور ملنے سے کترائے تو سمجھ لو کہ اس نے تمہارے خلاف سازش کی ہے' تمہارا کچھ چرایا ہے یا تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے' لیکن تمہیں اس کا علم نہیں ہے۔"

"لیکن بھلا ڈیوی نے میرا کیا چُرانا ہے اور میرے خلاف کیا سازش کرنی ہے۔"

اس روز اس نے سوچا تھا' لیکن اس وقت جو ادراک اسے ہوا تھا اس نے جیسے اس کا دل چیر دیا تھا۔ اس ملک میں وہ اس کا واحد دوست تھا۔ اس کے

ہوتے ہوئے اس نے کبھی کسی اور کو دوست بنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اس اذیت کو برداشت کرنے کی کوشش کی جو دل چیرتی تھی۔

محی الدین' جوزے اور وہ..... تینوں نے ایک ہی بات سوچی تھی۔ جوزے کی پیشانی پر لکیروں کا جال سا بن گیا تھا۔ محی الدین افسردگی سے مصطفیٰ کو دیکھ رہے تھے۔ ڈیوڈ کے ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ تھی اور وجود سے انجانی خوشی پھوٹ رہی تھی۔ آنکھوں کی سرخی سے پتا چلتا تھا کہ وہ ابھی بھی کچھ نشے میں ہے۔

"او کے غلام مصطفیٰ! میں پھر چکر لگاؤں گا۔"

جوزے نے محی الدین سے مصافحہ کیا۔ مصطفیٰ کے کندھے پر تھپکی دی اور ڈیوڈ پر ایک غصیلی نظر ڈالی۔ جو کچھ ابھی اس نے جانا تھا۔ اس نے اسے بہت تکلیف دی تھی۔ اس نے مانچسٹر یونائیٹڈ کو بہت دھچکا پہنچایا تھا۔

"کیا یہ اب کبھی نہیں کھیل سکے گا؟"

ڈیوڈ نے محی الدین سے پوچھا' لیکن جواب جوزے نے دیا تھا۔

"یہ کھیلے گا... اس لیے کہ یہ فٹ بال کھیلنے کے لیے ہی پیدا ہوا ہے ڈیوڈ کیمرون..... تم ڈیوڈ بیکھم نہیں بن سکتے' لیکن یہ ڈیوڈ بیکھم اور رونالڈو کی جگہ لے گا۔"

ایک نظر ڈیوڈ کے حیران چہرے پر ڈال کر جوزے نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ ڈیوڈ کا منہ حیرت سے کھلا تھا اور وہ جوزے کے پیچھے ہی باہر نکلنے لگا تو محی الدین نے اس کی طرف دیکھا۔

"اچھے دوست وہ ہوتے ہیں ڈیوڈ کیمرون! جو دوستوں کی راہ کے کانٹے چن لیتے ہیں۔ ان کی راہوں میں کانٹے نہیں بچھاتے۔ تمہارے آنے کا شکریہ۔"

محی الدین نے ایسا کیوں کہا اس کا خمار آلود ذہن سمجھ نہیں سکا اور اسے سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے جو چاہا تھا وہ ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گیا اور محی الدین مصطفیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ انہوں نے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے۔

"ایسے دوستوں کو دل کی مسند سے اتار دینا چاہیے غلام مصطفیٰ!"

"لیکن اس نے تو زندگی میں جس جس کو ایک بار دوست کہہ دیا اسے کبھی دل سے نہ نکال سکا تھا اور یہ ڈیوڈ کیمرون....."

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور محی الدین ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگے۔

☼ ☼ ☼

"مصطفیٰ..... مصطفیٰ کہاں ہو؟"

خوش جمال اسے پکارتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ وہ ٹانگیں پھیلائے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے نیم دراز تھا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے مصطفیٰ؟" وہ اسے یوں آرام سے بیٹھے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"ہمیں جانا تھا۔"

"کیا جانا بہت ضروری ہے خوش جمال؟" اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو نہیں جاتے۔" خوش جمال اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

پلاستر اترنے کے بعد ٹانگ میں تھوڑا کھنچاؤ تھا اس لیے وہ فزیو تھراپی کے لیے جا رہے تھے۔

"بس آج جی نہیں چاہ رہا۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم کچھ پریشان ہو مصطفیٰ..... ! پریشان نہ ہو' ڈاکٹر صاحب کہہ تو رہے تھے کہ بہت جلد تم پہلے کی طرح دوڑ سکو گے اور۔"

"نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا خوش جمال! ڈیوڈ نے ایسا کیوں کیا۔ دوست ہو کر چھپ کر وار کیا.... وہ مجھ سے کہتا..... تم مت کھیلو..... میں وجہ پوچھے بغیر چھوڑ دیتا کھیلنا..... میں چھوڑ سکتا تھا خوشی وہ مجھے آزماتا تو....."

"میں جانتی ہوں۔"

"اس نے مجھ پر ظلم کیا خوشی! ظلم یہ نہیں کہ اس نے مجھے مروایا..... میری ٹانگیں توڑنے کی کوشش کی۔ بلکہ ظلم یہ ہے کہ اس نے لفظ دوست پر ضرب لگائی 'میری دوستی کی توہین کی..... یہ اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی خوش جمال۔!"

"ٹیواٹ مصطفیٰ!" وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "وہ تمہارا دوست نہیں تھا۔ دوست ہوتا تو ایسا نہ کرتا وہ تمہاری دوستی کے قابل نہیں تھا۔"

"جس تکلیف سے میں گزر رہا ہوں' وہ کیسے اتنی جلدی فراموش کر سکتا ہوں خوش جمال!"

مصطفیٰ نے نظریں اٹھائیں اور کچھ دیر یونہی اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ ایسی نہیں لگ رہی تھی جیسے ہمیشہ نظر آتی تھی۔ خوش' مطمئن اور پرسکون۔ وہ زندگی جو اس کے چہرے پر اسے ہمیشہ رقص کرتی نظر آتی تھی' وہ زندگی مفقود تھی اور اس کی آنکھوں میں ملال کے رنگ بہت گہرے تھے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے خوشی؟"

"ہیں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔" وہ واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔

"نہیں۔ کچھ تو ہے خوش جمال! تم بہت اپ سیٹ لگ رہی ہو اور کچھ کمزور بھی لگ رہی ہو۔ پلیز بتاؤ نا کیا بات ہے۔ سب ٹھیک ہے نا..... آفس کا کوئی پرابلم ہے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ایسا کچھ نہیں ہے..... بس تمہاری وجہ سے ہم سب پریشان تھے۔ بابا' اماں اور میں' لیکن اب اللہ کا شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو..... بابا تو بہت ٹینشن میں تھے کہ پلاستر اترنے کے بعد کہیں کوئی ڈیفیکٹ نہ رہ جائے۔ اچھا خیر یہ بتاؤ..... تم نے جوزی سے بات کی تھی؟"

"نہیں..... میرا خیال تھا کہ ٹھیک ہونے کے بعد ہی بات کروں گا۔ اور کافی دنوں سے وہ نظر بھی نہیں آئی۔"

"اوہ..... مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ اس کے انکل اور آنٹی سات ہفتوں کے لیے پاکستان گئے ہیں اور اسے اپنے بچوں کے پاس گھر چھوڑ گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ آجائے تو بات کر لوں گا۔" اس کی نظروں کے سامنے جوزی کا سراپا لہرایا اور لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیا وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے مصطفیٰ؟" اس نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں..... کبھی اس نے ظاہر نہیں کیا' لیکن کیا اس سے فرق پڑتا ہے خوشی میں تو اس سے محبت کرتا ہوں۔"

پہلی بار اس نے خوش جمال کے سامنے کھل کر اعتراف کیا۔

"شاید نہیں' لیکن اگر وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہو' اس کے والدین انکار کر دیں تو.....؟" خوش جمال کی نظریں ابھی تک کارپٹ کے ڈیزائن سے الجھی ہوئی تھیں۔

"نہیں....." مصطفیٰ نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔ "ایسا نہیں ہے..... ہوتا تو وہ بتاتی اور انکار میرا نہیں خیال کہ اس کے پاپا انکار کریں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تم اس سے بات کر کے بتا دینا۔ بابا اور اماں بات کر لیں گے اس کے پیرنٹس سے۔"

خوش جمال اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنسو نکلنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ کتنا مشکل ہوتا ہے نا اپنی محبت کسی اور کو سونپنا۔

"او کے۔ پھر تم فون کر دینا ڈاکٹر کو اور کل کسی وقت کا ٹائم لے لینا۔"

وہ بات کر کے رکی نہیں تھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ مصطفیٰ نے پاس پڑا فون اٹھا کر ڈاکٹر کے اسسٹنٹ کا نمبر ملایا۔ وہ ایک خوش مزاج شخص تھا اور اس کے کھیل کا مداح۔

"چند دنوں بعد ہی آپ کھیل کے میدان میں ہوں گے۔ غلام مصطفیٰ۔" ہمیشہ کی طرح اس نے آج بھی کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"ان شاء اللہ!" اور واقعی چند دنوں بعد وہ پریکٹس کے لیے اولڈ ٹریفڈ آیا تو اس کا کھیل دیکھنے کے بعد

جوزے نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

"تم یورپین چیمپنز لیگ کے میچز نہیں کھیل سکے، لیکن مجھے یقین ہے آنے والے تمام میچز میں تم اپنی شہرت کے جھنڈے گاڑو گے۔"

ایسا یقیناً "ہونے والا تھا۔ اس روز وہ جوزے اور محی الدین کے ساتھ پارکنگ کی طرف جارہا تھا جب صحافیوں نے انہیں گھیر لیا۔

"سنا ہے غلام مصطفے کے معاہدے میں توسیع کی جارہی ہے اور انگلش سیزن 2011 کے کھلاڑیوں میں مصطفے کا نام بھی شامل ہے؟" انھوں نے جوزے سے پوچھا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ غلام مصطفے مانچسٹر یونائیٹڈ کے لیے اچھا انتخاب ہوگا۔"

صحافی دونوں سے تابڑتوڑ سوال کررہے تھے بمشکل ایک گھنٹے بعد وہ ان کے نرغے سے نکلا تھا۔

"اللہ کرے غلام مصطفے تم جوزے کی امیدوں پر پورا اترو۔"

محی الدین نے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی تو وہ مسکرادیا۔ محی الدین بروکس ماوتھ کلب کے ساتھ ان کا ایک دوستانہ میچ دیکھنے آئے تھے۔ اس میچ میں اس نے حیرت انگیز کارکردگی دکھائی تھی اور وہ بروکس ماوتھ کلب سے تین صفر پر جیت گئے تھے۔ محی الدین اسے محتاط رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے راستے میں ہی اتر گئے تھے۔ انہیں کسی کام سے جانا تھا۔ اور اسے بھی آج جوزی سے ملنا تھا۔ ان بیتے دنوں میں جوزی سے اس کی صرف چند ملاقاتیں ہوتی تھیں وہ بھی مختصر سی۔ تین بار وہ گھر آئی تھی اور دوبار وہ اسے گھر سے باہر اسٹاپ کی طرف جاتی ہوئی ملی تھی اور اب تو اپنے انکل کے گھر سے آئے ہوئے بھی اسے کافی دن ہوگئے تھے، لیکن اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے وہ اس سے ملنے کے لیے وقت ہی نہیں نکال پارہا تھا۔ کل صبح اس نے اسے گھر سے نکل کر اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھا تو فوراً "گھر سے نکل کر تقریباً" دوڑتا ہوا اسٹاپ تک آیا تھا۔

"کیسی ہو جوزی؟" جوزفین نے اس کی طرف دیکھا لمحہ بھر کے لیے جیسے اس کے اندر چراغاں ہوا۔

"ٹھیک ہوں۔۔۔"

"انکل کے گھر سے کب آئی ہو مشاعل۔۔۔ کیا میں تمہیں مشاعل کہہ کر بلا سکتا ہوں۔ دراصل مجھے اس نام میں زیادہ اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔"

اس نے ساتھ ہی وضاحت بھی کردی تو جوزمین نے اثبات میں سرہلایا۔

"مشاعل! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے آج شام کو تم پارک میں آجانا۔۔۔ زیادہ ٹائم نہیں لوں گا۔"

"آج نہیں کل شام چھ بجے۔ آج مجھے کچھ شاپنگ کرنا ہے۔"

"اوکے۔ ٹھیک ہے۔" اور وہ اس وقت تک کھڑا رہا جب تک اس کی بس نہیں آگئی۔

اور اب سات بجنے والے تھے وہ لیٹ ہوگیا تھا، لیکن اسے یقین تھا کہ وہ اس کا انتظار کررہی ہوگی اور ایسا ہی تھا وہ اس کا انتظار کررہی تھی۔

"سوری مشاعل! میں لیٹ ہوگیا۔" وہ اس کے پاس ہی بنچ پر بیٹھ گیا۔

"میں زیادہ دیر نہیں رک سکوں گی، پہلے ہی دیر ہوگئی ہے اور ممی کا تمہیں پتا ہے نا؟" مصطفے نے اثبات میں سرہلایا۔

"تمہاری شاپنگ ہوگئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ پاپا کچھ دنوں تک پاکستان جارہے ہیں۔ دادا جان اور دادی کے لیے کچھ گفٹ خریدنے تھے۔" اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا تو مصطفے کو احساس ہوا کہ اسے ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

"مشاعل! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اماں اور بابا تمہارے گھر آنا چاہتے ہیں، لیکن میں پہلے تم سے بات کرنا چاہتا تھا، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" اس نے زندگی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہا تھا اور کوئی خواہش نہیں کی تھی کہ یہ سیاہ بھنورا آنکھوں والا لڑکا اس کا ہوجائے۔ وہ اس سے محبت کرے ایسے ہی جیسے وہ اس سے کرتی ہے۔ اتنی نہ سہی اس سے کچھ کم ہی سہی، لیکن وہ اس سے محبت کرے اور اب جب کہ اس کی خواہش پوری ہوگئی تھی اور وہ اسے اپنانے کی بات کررہا تھا اس سے محبت کا اعتراف کررہا تھا تو اس کا جی چاہ رہا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر روئے زمین و آسمان ایک کردے۔ سب کچھ جل تھل ہوجائے، لیکن وہ ہونٹ بھینچے بیٹھی تھی۔ وہ خوش قسمت تھی، بہت خوش قسمت کہ غلام مصطفے اس سے محبت کرتا تھا۔

وہ بہت بدقسمت تھی کہ وہ اس محبت کو اپنے سر کا تاج نہیں بنا سکتی تھی۔۔۔ وہ اس شخص کو مایوس کرنے والی تھی جس سے وہ عشق کرتی تھی اور جو بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ ہاں!" اسے جیسے اچانک کچھ یاد آیا تھا اور اس نے اپنی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔

"یہ لاکٹ ہے مشاعل! میں نے تمہارے لیے خریدا تھا۔ چھوٹا سا گفٹ۔" اس نے ڈبیا کھولی۔ گولڈ کی چین میں آنسو کی شکل کا چھوٹا سا سفید زرقون تھا۔

جوزفین نے اس کے ہاتھ میں موجود اس خوب صورت چین کو دیکھا۔ لمحہ بھر کو وہ جیسے سب کچھ بھول گئی وہ سب کچھ جو پچھلے کئی دنوں سے خود کو سمجھاتی آئی تھی۔ کسی خوب صورت جذبے نے اندر زقند بھری تھی اور اس نے ہاتھ پیچھے کرکے گلے میں پڑی چین کا لاک کھولا اور چین اتار کر مٹھی میں بند کرلی۔ عام سی چند پونڈ کی آرٹیفشل چین جس میں موجود چھوٹی سی نگینوں سے سجی صلیب ہمیشہ اس کی شرٹ یا سوئٹر کے اندر ہوتی تھی اور اب اس کی مٹھی میں بند تھی۔ اس نے مسکرا کر مصطفے کی طرف دیکھا اور اپنا رخ موڑا اور مصطفے کے دل میں ایک ساتھ ہزاروں قمقمے جل اٹھے۔

"تھینک یو۔۔۔!" اس نے اس کے بھورے بال نرمی سے ہٹائے اور لاکٹ کا لاک کھول کر اس کے گلے میں ڈال دیا اور مسکرایا۔

"اس پذیرائی کا شکریہ جوزی!" وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا، لیکن وہ اپنے ہاتھ کی بند مٹھی کی طرف دیکھ رہی تھی، پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنی بند مٹھی کھولی اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ مصطفے نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور ہاتھ میں موجود چین کو اٹھایا اور اب وہ نگینوں سے سجی اس ننھی سی صلیب کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ کوئی عام لاکٹ تھا یونہی فیشن کے طور پر پہنا جانے والا یا پھر۔۔۔"

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے مصطفے؟"

اس نے صلیب والی چین اس کے ہاتھ سے اٹھا کر پھر اپنی مٹھی میں بند کرلی۔

درختوں میں لگے ننھے ننھے بلبوں کی روشنی اس کے چہرے پر پڑرہی تھی۔ اس کے سنہری مائل بھورے بال اس کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے اس نے انہیں پیچھے نہیں کیا تھا۔ اس مدھم روشنی میں اس کا چہرہ بہت فسردہ سا لگ رہا تھا اور وہ اپنی بند مٹھی کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے دادا پاکستان کے ایک چھوٹے سے شہر کے گرجا میں پادری ہیں۔" اس نے اپنی بند مٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور میرا پورا نام مشاعل جوزفین ہے اور پاپا کا نام پال نذیر ہے۔"

اور وہ جو ابھی کچھ سمجھنے نہ سمجھنے کی کیفیت میں تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی بند مٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے جکڑ لیا۔

"نہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اس سے کچھ فرق پڑتا ہو۔ محبت میں ہر چیز بے معنی ہوجاتی ہے۔ صرف محبت باقی رہ جاتی ہے۔۔۔ جو کچھ نہیں دیکھتی جو بے دھڑک آتش نمرود میں کود جاتی ہے۔"

"میری ممی اور پاپا کی آپس میں پہلے دن ہی نہیں بنی تھی۔ وہ جتنا عرصہ پاپا کے ساتھ رہیں روز جھگڑے ہوتے۔"

وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

"پھر ممی اور پاپا میں ڈائیورس ہوگئی۔ ممی نے انکل حبیب کے آفس میں جاب کرلی اور پھر ان سے شادی کرلی اور مجھے اپنے ساتھ تمہارے گھر لے آئیں۔ مجھے علم نہیں، لیکن مارتھا ممی کہتی تھیں کہ انہوں نے تمہارے پاپا سے شادی کرنے کے لیے اپنا مذہب تبدیل کرلیا تھا۔"

"مشاعل! مجھے اس سب سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں نے کہا نا کہ محبت میں سب کچھ بے معنی ہوجاتا ہے، لیکن تم کیا تمہیں اس سے فرق پڑتا ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھ میں دبی اس کی بند مٹھی کھول کر صلیب والی چین کو اٹھا کر لہرایا۔

"مجھے..." اس نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے دھواں سا بھرا تھا۔ "میں جب ممی کے ساتھ تمہارے گھر آئی تھی۔" اس نے پھر نظریں جھکالی تھیں۔

"تو تم مجھے بہت اچھے لگے تھے۔ میرا دل چاہتا تھا تم سے کھیلوں، باتیں کروں... تمہیں اپنے اس گھر کے متعلق بتاؤں جو چرچ سے منسلک تھا، لیکن تم مجھے پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھ سے بات نہیں کرتے تھے، اس وقت جب میں محبت کے مفہوم تک سے ناآشنا تھی۔ میں نے ہر دن اور ہر رات مقدس مریم سے دعا کی کہ تم میرے دوست بن جاؤ۔ تم مجھے ناپسند نہ کرو۔ جب ممی تمہیں مارتی تھیں تو میرا جی چاہتا تھا کہ تمہاری تکلیف میں لے لوں۔ میں تمہارے لیے روتی تھی اور دعا کرتی تھی کہ وہ درد جو تمہیں ہو رہا ہے وہ مجھے ہوجائے اور تم ٹھیک ہوجاؤ۔"

اس نے ذرا سی گردن اونچی کی۔ گولڈ کی لکیر والی سنہری روپہلی چین اس کی خوب صورت گردن میں سج گئی تھی اور زرقون کا آنسو گردن سے نیچے جلد سے چپکا ہوا تھا۔

"تو مشاعل! اللہ نے تمہاری دعا سن لی۔" وہ مسکرایا۔

"اللہ نے میرے دل میں تمہاری محبت بھردی۔"

"ہاں اللہ نے میری دعا سن لی، لیکن میں... میرا مذہب۔"

اس کی آنکھیں یک دم آنسوؤں سے بھر گئیں اور آنسو رخساروں پر پھیل آئے۔

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا مشاعل! تم بتاؤ۔ کیا تمہیں اس سے فرق پڑتا ہے؟" اس نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

"وہ محبت جو مجھے تم سے ہے غلام مصطفیٰ اسے کچھ فرق نہیں پڑتا... لیکن مجھے فرق پڑتا ہے۔"

وہ اب زاروقطار رو رہی تھی اور مصطفیٰ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے خاندان کو فرق پڑتا ہے۔ میں اپنے پاپا کا مان نہیں توڑ سکتی غلام مصطفیٰ... میرا دادا ایک پادری ہے... میں نہیں دیکھ سکتی کہ پورا خاندان میرے پاپا پر انگلیاں اٹھائے... میں تم سے شادی نہیں کرسکتی... میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں، بچپن سے کرتی ہوں۔"

زاروقطار روتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے معاف کردو مصطفیٰ! میں نے تمہیں تکلیف دی، میں نے تمہیں رنج پہنچایا۔ جس طرح میں تمہیں ممی کی مار سے نہیں بچاسکتی تھی اس طرح تمہیں اس دکھ سے بھی نہیں بچاپارہی۔"

مصطفیٰ ساکت بیٹھا تھا۔ صلیب والی چین اس کے ہاتھ سے گر پڑی تھی... مشاعل نے جھک کر صلیب اٹھائی اسے چوما اور ساکت بیٹھے مصطفیٰ کو دیکھا اور کھڑی ہوگئی اور بہت دیر تک اسے دیکھتی رہی یوں جیسے اس کی شبیہہ کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں محفوظ کررہی ہو... جیسے اسے پتا ہو کہ آج کے بعد پھر وہ ان سیاہ آنکھوں کو نہیں دیکھ سکے گی۔ آنسو اب بھی اسی روانی کے ساتھ اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ مصطفیٰ اسے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا، وہ اس کے آنسو

پونچھنا چاہتا تھا، لیکن اس کے ہاتھ یونہی گود میں دھرے رہے۔ اس کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، اسے تسلی دینا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا وہ اس سے ناراض نہیں ہے۔

وہ صحیح کہہ رہی ہے، یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اپنے خاندان کو چھوڑنا انہیں تکلیف دینا... محبت مرتی نہیں ہمیشہ دل کے نہاں خانوں میں زندہ رہتی ہے... تو... وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن لفظ اس کے اندر بن بن کر ٹوٹ رہے تھے۔

وہ یونہی روتی ہوئی مڑی اور ہولے ہولے چلنے لگی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، حتیٰ کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تب وہ چونکا اسے لگا جیسے پارک میں موجود روشنیاں اور قمقمے یک دم بجھ گئے ہوں۔

پھر وہ اٹھا اور تیز تیز چلتا ہوا پارک سے باہر آیا۔ وہ کچھ فاصلے پر اسے یونہی سر جھکائے ہولے ہولے چلتی نظر آئی۔ گھر پارک سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ یہاں تک پیدل آئی ہو گی اور اب پیدل ہی واپس جا رہی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنی گاڑی کو دیکھا اور اس کی طرف بڑھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ اس کے قریب گاڑی روک چکا تھا۔

"آجاؤ مشاعل!"

اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا۔ مشاعل نے رک کر ایک نظر اسے دیکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ آنسو اب بھی رخساروں کو بھگوتے ہوئے گردن اور گردن سے گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

"مت روؤ مشاعل...!" اس نے بے بسی سے مشاعل کی طرف دیکھا۔ "میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا۔ رشتوں کا مان نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ رہی محبت... تو وہ تو ہمیشہ زندہ رہتی ہے... میں تم سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔"

اس سے زیادہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے کیوں کہ اس کے آنسوؤں سے مصطفیٰ کو تکلیف ہو رہی تھی اور وہ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی، وہ صرف ایک بات سوچنا چاہتی تھی کہ وہ مصطفیٰ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہے۔ جب وہ گھر کے سامنے اتری تو ایک اور خواب لمحہ دل کی البم میں محفوظ ہو چکا تھا۔

مصطفیٰ تیزی سے گاڑی آگے نکال لے گیا تھا اور پھر کتنی ہی دیر تک وہ یونہی بے مقصد مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا پھرا اور پھر محی الدین اور فاطمہ کی پریشانی کے احساس نے اسے چونکایا اور نادم سا ہو کر اس نے گھر کا رخ کیا۔

وہ چپکے سے اپنے کمرے میں جا کر سو جانا چاہتا تھا اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ڈور بیل بجانے کے بجائے اپنی چابی سے دروازہ کھول لیا تھا۔ وہ کم از کم خوش جمال کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو جیسے اس کے اندر اتر کر اس کے دل کا حال جان لیا کرتی تھی، لیکن اس کے کمرے کے دروازے کے پاس سے دبے پاؤں گزرتے ہوئے وہ سسکیوں کی آواز پر ٹھٹک کر رک گیا۔ کیا خوش جمال رو رہی تھی، لیکن کیوں اس سے پہلے کہ وہ نیم وا دروازے کو دھکیل کر اندر جاتا اسے عافیہ کی آواز سنائی دی۔ وہ آج صبح سے ادھر آئی ہوئی تھی اور شاید خوش جمال نے اسے روک لیا تھا۔

"لیکن تم نے ایسا کیوں کیا خوش جمال؟ اپنی محبت کی قربانی کیوں دی... کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ جوزی کو بھول جاتا... تم اتنی اچھی ہو کہ۔"

"ہاں شاید۔" خوش جمال کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "لیکن میں نہیں چاہتی تھی عافیہ! کہ اس کا کیریر تباہ ہو۔ وہ اپ سیٹ تھا، اتنا کہ کھیل چھوڑ دینے کی باتیں کر رہا تھا۔ اس کی پریشانی اس کے کھیل کو متاثر کر رہی تھی۔ وہ اماں اور بابا کی خواہش رد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی محبت کی قربانی دے رہا تھا تو کیا میں نہیں دے سکتی تھی۔"

"تم نے اماں کو بتایا؟" عافیہ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔ میں نے کئی بار بتانا چاہا، لیکن اماں کا خوشی سے دمکتا چہرہ دیکھ کر میری ہمت جواب دے گئی۔ وہ ایک بار جوزی سے بات کر لے تو پھر۔"

اور اس نے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھا دیے، اس کی آنکھوں کے سامنے کئی منظر آ رہے تھے۔

خوش جمال کی بھیگی پلکیں۔

اس کا ملول چہرہ

اس کی پھیکی رنگت...

اور ہر منظر اس کہانی کی تصدیق کر رہا تھا جس کا علم اسے اب ہوا تھا، لیکن جس کا ادراک اس کے اندر پہلے سے موجود تھا۔

☼ ☼ ☼

دبئی کے ایک خوب صورت ولا کے ٹی وی لاؤنج میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے ٹی وی دیکھتے ہوئے حبیب الرحمن ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ بہت سارے صحافیوں میں گھرے ہوئے غلام مصطفیٰ کا کلوز اپ دکھایا جا رہا تھا۔ غلام مصطفیٰ ابھرتا ہوا پاکستانی فٹ بالر۔ ایک بار پھر مانچسٹر یونائیٹڈ کا حصہ بننے جا رہا ہے۔

"غلام مصطفیٰ آپ کا تعلق پاکستان سے ہے۔"

اب پھر وہ صحافیوں کے ہجوم میں گھرا نظر آ رہا تھا اور ایک صحافی پوچھ رہا تھا۔

"جی!" غلام مصطفیٰ کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ "پاکستان کے ایک چھوٹے سے شہر سے تعلق ہے میرا، لیکن میں پچھلے دس سالوں سے یہاں ہوں... میں نے اپنے کھیل کا آغاز آرسنل کلب کی طرف سے کیا تھا۔"

"آپ کو یہ شوق اپنے والد کی طرف سے ورثے میں ملا۔ آپ کے ڈیڈ اور مرحوم بھائی بھی اچھے کھلاڑی ہیں۔"

"جی!" اس نے پاس کھڑے محی الدین کی طرف دیکھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب محی الدین نے صحافی کی بات کا جواب دیا تھا۔

"اسے یہ شوق اپنے ماموں اور اپنے نانا سے ملا ہے۔ اس کے مرحوم ماموں عبدالہادی بہت اچھے کھلاڑی تھے اور اس کے والد کو کھیلنے کا شوق نہیں تھا۔"

محی الدین کو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات یاد رہتی تھی کہ لے پالکوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے محروم مت کرو۔

"آپ...!" صحافی کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"میرے بابا ہیں، میرا سب کچھ۔" غلام مصطفیٰ کی آنکھوں میں محی الدین کے لیے عزت تھی احترام تھا۔ محبت تھی۔

"ہاں میں اس کا بابا ہوں اور یہی میرا سرمایہ اور میری عمر بھر کی پونجی ہے، لیکن اس کے حقیقی باپ کا نام حبیب الرحمن تھا۔"

ان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا تھا، اسکرین کا منظر بدل گیا تھا۔ اب نیوز کاسٹر کوئی اور خبر سنا رہا تھا۔

"زری!" ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ اپنے کمرے سے سنی بھی بھاگتا ہوا آ گیا تھا۔

"کیا ہوا پاپا۔"

"زری!" وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر پھر چیخے تھے۔

"کیا ہوا؟" زری گیلے ہاتھ صافی سے پونچھتی ہوئی کچن سے آئی تھی۔

"تم نے... تم نے ہادی کی لاش کو تھانے میں اس کے کپڑوں سے پہچانا تھا اور اس کے جوتوں سے۔"

"ج... جی!"

"جھوٹ بولتی ہو تم... جھوٹ بولا تم نے۔" وہ یک دم چیخے اور اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھے وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"تم نے پہچانا تھا ہادی کی لاش کو؟"

"مجھے لگا تھا کہ وہ ہادی ہے۔" زری نے خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"نہیں۔ تمہیں لگا نہیں تھا۔۔۔ تم نے جھوٹ بولا تھا۔ تم جانتی تھیں۔ تمہیں پتا تھا۔ وہ ہادی نہیں تھا۔" انہوں نے آنسو بھری آنکھوں سے سنی کی طرف دیکھا اور ٹوٹتی آواز میں بولے۔

"اس عورت کو میری نظروں سے دور کردو۔ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

"مما پلیز' آپ باہر جائیں۔"

سنی نے زری کے بازو پر ہاتھ رکھا اور مڑ کر حبیب الرحمٰن کی طرف دیکھا جو صوفے پر گرے سے گئے تھے۔

"پاپا۔۔۔!" وہ تیزی سے ان کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اپنا بازو ان کے گرد حمائل کیا۔

"کیا ہوا۔۔۔ پلیز مجھے بتائیں ساری بات۔۔۔"

"اس عورت نے مجھ پر بہت ظلم کیا۔ تمہارے بھائی کو گھر سے نکال دیا۔۔۔ اور۔۔۔"

ان کی آواز گھٹ گئی۔ سر جھک گیا اور آنکھیں برسنے لگیں۔ کتنے کرب سے گزرے تھے وہ' کتنی اذیت اٹھائی تھی انہوں نے۔۔۔ سینے میں ایک زخم تھا مسلسل رستا ہوا۔

کراچی میں خلاف توقع انہیں بہت دن لگ گئے تھے۔ وہ دبئی میں کسی کے ساتھ پارٹنر شپ میں بہت بڑا بزنس کرنے والے تھے اور جب وہ واپس آئے تو لاؤنج میں بیٹھے سب کو گفٹ دیتے ہوئے انہیں ہادی کا خیال آیا تھا۔

"ہادی کہاں ہے؟"

"وہ تو گھر سے بھاگ گیا تھا' اسی روز جب اس نے سنی کو گرایا تھا۔" زری نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا!" انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"میں نے بہت ڈھونڈا ہر جگہ نہیں ملا۔" زری سر جھکائے ہوئے تھی۔

"اور تم نے مجھے بتایا نہیں ذکر تک نہیں کیا ہر دوسرے دن میں فون کرتا تھا۔"

"میں نے تمہاری پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا تھا۔"

"وہ میرا بیٹا تھا کوئی چیز نہیں تھا۔"

"بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں آپ نے اسے فون پر اس بری طرح ڈانٹا کہ وہ۔۔۔"

زری نے انہیں الزام دیا تو وہ بھی یہی سمجھنے لگے کہ ان کی ڈانٹ سے۔۔۔

اور پھر انہوں نے اسے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا' پاگلوں کی طرح گاڑی دوڑاتے پھرے۔ ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھا۔ تھانے میں رپورٹ لکھوائی اور اس روز گیٹ کے باہر والی دیوار پر ان کی اچانک نظر پڑی تھی۔ "میں نے سنی کو نہیں گرایا پاپا! ممی نے۔"

اور انہوں نے مشاعل اور مینو سے پوچھا تھا۔ مینو تو پہلے خاموش رہی تھی' لیکن مشاعل نے تصدیق کی تھی کہ سنی تو گرا ہی نہیں تھا۔ وہ تو یونہی رو رہا تھا۔

انہیں اس لمحے زری سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھنا اور بولنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھنٹوں گیٹ کے باہر کھڑے اس کے لکھے جملے کو پڑھتے رہتے۔ اس پر انگلیاں پھیرتے۔

"مجھے یقین ہے ہادی۔۔۔!"

وہ زیر لب کہتے اور اس کے لکھے لفظوں پر ہونٹ رکھ دیتے اس کی اس آخری تحریر کو انہوں نے اتنی بار چوما کہ ان کے ہونٹ چھل گئے تھے۔ وہ راتوں کو اٹھ کر اس کے کمرے میں چلے جاتے' اس کا تکیہ' اس کے کھلونے' اس کی کتابیں ایک ایک چیز کو چومتے لپٹ لپٹ کر روتے تھے۔

اور پھر انہیں دبئی جانا پڑ گیا۔۔۔ ناگزیر ہو گیا تھا' انہیں سارے معاہدوں پر دستخط کرنے تھے۔ اگر وہ نہ جاتے تو بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے۔ ہو سکتا ہے سارا سرمایہ ہی ڈوب جاتا' لیکن وہ بہت سارے دن وہاں نہیں رہے تھے۔ جلد لوٹ آئے تھے اور زری نے انہیں بتایا کہ ہادی کی لاش مل گئی تھی اور انہیں لگتا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائیں گے یہ دکھ برداشت نہیں کر پائیں گے۔ بہت وقت لگا تھا انہیں سنبھلنے میں اور پھر وہ اپنے ایک دوست عبدالرحمٰن کو گھر کرائے پر دے کر دبئی آگئے تھے۔

"پاپا!" سنی نے آہستگی سے کہا۔ "حوصلہ کریں۔

مت اس طرح روئیں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"حوصلہ۔۔۔ کیسے حوصلہ کروں سنی۔ تمہاری ماں نے مجھے مار دیا۔۔۔ اس عورت نے فریب دیا مجھے۔۔۔ نہ جانے کس کی آنکھوں کا نور تھا وہ جس کی قبر پہ یہ مجھے لے کر گئی۔ میں اتنے سالوں سے تڑپ رہا ہوں۔۔۔ میرا بیٹا اس دنیا میں نہیں رہا۔ اللہ کی مرضی' اتنی ہی زندگی تھی۔ میں خود سے کہتا' لیکن اسے میرے گھر سے کفن بھی نصیب نہیں ہوا لاوارثوں کی طرح دفن ہوا۔۔۔ یہ اذیت میں آج تک سہ رہا تھا۔ یہ عورت ڈائن ہے سنی۔ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ وہ زندہ ہے۔"

"پاپا پلیز! مجھے ساری بات بتائیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

حبیب الرحمٰن نے اپنے آنسو پونچھے اور ہولے ہولے اسے بتانے لگے۔

☼ ☼ ☼

"پاپا!" جوزفین لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھتے پال کے قریب آئی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ چہرہ ستا ہوا تھا۔ پال نے آواز آہستہ کرکے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا موڈ خراب تھا۔ مارتھا نے اسے بتایا تھا کہ وہ غلام مصطفیٰ کے ساتھ ڈیٹ پر گئی ہے۔ مارتھا کے ساتھ ایک طویل لڑائی کے بعد وہ تھک کر یہاں لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا تھا اور مارتھا غصے سے بیڈ روم میں بند ہو گئی تھی۔

"تم کہاں تھیں اب تک؟" اس نے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی تھی' لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"پاپا! میں پارک میں چلی گئی تھی۔ دل بہت گھبرا رہا تھا۔"

"ہوں!" اب کے اس نے بغور دیکھا۔ "کیا مارتھا سے تمہاری لڑائی ہوئی ہے۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور پال کے پاس بیٹھ گئی۔

"نہیں۔۔۔ پاپا آپ کو ممی کا نمبر مل گیا تھا؟"

"ہاں۔۔۔ وہ روزی نے بتایا تو تھا۔ ٹیلی فون اسٹینڈ پر دیکھو۔۔۔ ڈائری میں لکھا تھا۔ روزی کے نام کے ساتھ۔"

"پاپا! میں ممی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

"اتنے سالوں بعد کیا وہ تمہیں رکھ لے گی۔" پال نے دل گرفتی سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں پاپا۔۔۔ لیکن اگر انہوں نے نہ رکھا تو میں دادا کے پاس پاکستان چلی جاؤں گی۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

پال نے افسردگی سے سر ہلایا۔

"آپ کی سیٹ کنفرم ہو گئی۔"

اس نے فون اسٹینڈ کی طرف جاتے پوچھا۔

"نہیں۔" پال نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ اسے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ مارتھا نے میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور اس کی بھی۔ شاید اس کے جانے کے بعد حالات بہتر ہو جائیں۔" اس کا دل رونے لگا۔

"لڑکیاں بیاہ کر بھی تو باپ کے گھر سے رخصت ہو جاتی ہیں۔"

وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ اور وہ خود ڈائری ہاتھ میں لیے فون اسٹینڈ کے پاس کھڑی تھی۔

"ہاں یہی بہتر ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ یہاں مصطفیٰ کے گھر کے سامنے رہی تو کیسے روک پائے گی خود کو مصطفیٰ کو دیکھنے سے۔ اسے دیکھ کر دل کیسے نہ اس کی قربت کے لیے مچلے گا۔

وہ جانتی تھی وہ نہیں روک سکے گی۔ خود کو۔ اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکے گی۔ وہ پال کا مان توڑ دے گی۔ محبت اتنی ہی زور آور ہوتی ہے کہ اپنی راہ میں آئی ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہاتی ہوئی لے جاتی ہے۔ کسی تیز' بڑے سیلابی ریلے کی طرح۔ وہ بھی ڈرتی تھی کہ کہیں پال' دادا' اس کی پہچان سب اس ریلے میں بہہ نہ جائیں' اس لیے بہتر تھا کہ وہ یہاں سے چلی

جائے یہاں نہ رہے، دور ہو گی تو شاید وہ اس زور آور محبت کو دبا لے اور شاید مصطفیٰ کو بھی اسے بھولنے میں آسانی ہو۔

اس نے گلے میں موجود چین کو چھوا۔ خوب صورت چین ایک آنسو کو اپنے دامن میں لیے اس کی گردن سے لپٹی تھی۔

اس نے پال کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"میں نے ابھی ٹی۔ وی پر اسے دیکھا ہے سنی! کھیلوں کی خبروں میں، وہ غلام مصطفیٰ ہے فٹ بالر۔ مانچسٹر یونائیٹڈ سے وابستہ کھلاڑی۔ اور اس کے ساتھ محی الدین تھا۔ عبدالہادی کا دوست میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ جب تمہاری ممی نے اسے گھر سے نکالا ہو گا تو وہ اپنے ماموں عبدالہادی کے دوست کے پاس چلا گیا ہو گا۔"

وہ ابھی تک صوفے پر بیٹھے تھے اور ابھی تک سنی کا ایک بازو ان کے گرد حمائل تھا اور ابھی تک ان کے رخسار بھیگے ہوئے تھے۔

"غلام مصطفیٰ!" سنی نے سوالیہ نظروں سے حبیب الرحمٰن کو دیکھا۔ "بھائی کا نام تو ہادی ہے۔"

"ہادی تو پیار سے ام کلثوم اسے بلاتی تھی اور پھر سب ہی ہادی کہنے لگے۔"

"غلام مصطفیٰ مانچسٹر یونائیٹڈ کا پاکستانی کھلاڑی، وہ تو میرا فیورٹ کھلاڑی ہے۔ بہت پھرتیلا اور چست۔ ایک میگزین میں اس کی تصاویر ہیں۔ میرے پاس ہے وہ میگزین، میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ اف۔ او مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میرا بھائی غلام مصطفیٰ انٹر نیشنل کلب کی نمائندگی کرتا ہے۔"

وہ اٹھا لیکن حبیب الرحمٰن نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"سنی، مائی سن! مجھے اس کے پاس لے چلو۔ پتا کرو اس کا، کہیں سے اس کا ایڈریس ڈھونڈو۔ وہ تو اتنا مشہور کھلاڑی ہے۔ کہیں سے کوئی رابطہ مل جائے گا۔"

وہ ایک بار پھر رونے لگے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر لمحوں میں اس کے پاس پہنچ جائیں۔

"پاپا۔" سنی نے انہیں تسلی دی۔ "آپ پریشان نہ ہوں اتنے مشہور کھلاڑی کا ایڈریس معلوم کرنا مشکل نہیں ہے۔ صبح میں پہلے تو مانچسٹر یونائیٹڈ سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان شاء اللہ پتا چل جائے گا۔ میں آپ کو لے کر جاؤں گا بھائی کے پاس پرامس۔ ہم ڈھونڈ لیں گے اسے۔"

"اور اگر اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ وہ مجھ سے ناراض ہوا تو۔؟" انہوں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سنی کی طرف دیکھا۔

"ایسا نہیں ہو گا پاپا!" اس نے ان کا بازو تھپتھپایا۔ تب ہی فون کی بیل بجی۔ اس کا خیال تھا کہ سٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی زری فون اٹھا لے گی لیکن فون بج بج کر بند ہو گیا تھا۔

"اس وقت پتا نہیں کس کا فون ہے۔" سنی نے سوچا اور میگزین لینے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ تب ہی بیل دوبارہ ہونے لگی۔ تو اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو!"

"ہیلو!" دوسری طرف سے کسی لڑکی کی آواز آئی تھی، سہمی ہوئی اور روئی روئی سی آواز۔ "یہ حبیب الرحمٰن صاحب کا نمبر ہے۔"

"جی آپ کون؟" سنی نے پوچھا۔

"وہ میں۔ مجھے ممی سے بات کرنی ہے۔ میرا مطلب ہے مسز حبیب الرحمٰن سے۔"

"آپ۔ کون؟" سنی نے پھر پوچھا۔

"میں مشاعل ہوں اور آپ۔"

"میں سنی ہوں۔"

"سنی۔! تم آواز سے کتنے بڑے بڑے لگ رہے ہو۔" مشاعل کی آواز سے اشتیاق جھلکتا تھا۔

"ہاں۔ میں اولیول میں ہوں۔" اس نے بتایا۔

"ممی کیسی ہیں اور انکل؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ آپ کہاں سے بات کر رہی ہیں؟"

"لندن سے، مجھے ممی سے بات کرنی ہے۔" اس نے کہا تو اس نے حبیب الرحمٰن کو بتایا۔

"مشاعل ہے۔"

اس نے اپنی اس بہن کو دیکھا تک نہ تھا وہ تقریباً" دو سال کا تھا جب وہ اپنے پاپا کے ساتھ چلی گئی تھی، لیکن ممی سے اس نے کئی بار اس کا ذکر سنا تھا۔ وہ اس سے سخت خفا تھی اور اکثر اس خفگی کا اظہار کرتی تھی کہ اس نے اس کے بجائے اپنے پاپا کے پاس رہنا پسند کیا تھا۔

"مما۔ مما! مشاعل کا فون ہے وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے ادھر سے فون اٹھا لیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"کون مشاعل؟ میں کسی مشاعل کو نہیں جانتی۔؟" وہ سٹنگ سے ہی چیخ کر بولی تھی۔ "کہہ دو اس سے مجھے اس سے بات نہیں کرنا۔"

"مما پلیز۔" اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کر لیں نا بات۔"

"کیوں کروں بات؟" وہ سٹنگ روم سے اٹھ کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھی۔ حبیب الرحمٰن سے رخ موڑ لیا۔ "آج کیا ضرورت پڑ گئی ہے اسے میری، باپ مر گیا ہے یا ماں نے گھر سے نکال دیا ہے۔" وہ ہمیشہ سے انتہا پسند تھی۔

سنی نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر مشاعل کو مخاطب کیا۔

"مشاعل! وہ ممی آپ سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔" اسے لگا جیسے وہ رو رہی ہو۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ میں انہیں سمجھاؤں گا۔ اور آپ کی بات کروا دوں گا ان سے۔"

"مجھے پتا تھا سنی۔ وہ مجھ سے بات نہیں کریں گی پھر بھی میں نے ان سے بات کرنا چاہی۔" وہ روئی روئی آواز میں بولی۔

"سنی! تم ممی کو بتا دینا میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں میں نے ہمیشہ انہیں بہت یاد کیا۔ بچوں کے لیے ماں، باپ دونوں ہی بہت بیش قیمت ہوتے ہیں۔ وہ ان کی آپس کی نفرتوں اور جھگڑوں کے متعلق نہیں جانتے انہیں بس صرف یہ پتا ہوتا ہے کہ یہ ان کے ماں باپ ہیں اور انہیں ان دونوں کے ساتھ ہی رہنا ہے اور جب انہیں کسی ایک کے پاس رہنا پڑتا ہے تو وہ دوسرے کو کبھی نہیں بھولتے۔"

"کیا کہانیاں سنا رہی ہے؟" زری کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ سنی نے اسے جواب نہیں دیا تھا۔ اس کا دل مشاعل کے لیے دکھ رہا تھا۔

"سنی!۔" ایک ذرا توقف کے بعد مشاعل نے پوچھا۔ "انکل گھر میں ہیں۔ کیا میری ان سے بات ہو سکتی ہے؟"

"ہاں پاپا گھر میں ہیں لیکن ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سنی نے بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ کس کیفیت سے گزر رہے ہیں۔

"لیکن مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنا تھی سنی۔ پھر پتا نہیں موقع ملے یا نہ ملے۔ مجھے ان سے ہادی کے متعلق بات کرنی ہے پلیز۔"

"وہ ہادی سے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتی ہے پاپا!"

سنی نے حبیب الرحمن کی طرف دیکھا۔ تو وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہادی کے متعلق۔!" انہوں نے آگے بڑھ کر ریسیور اس سے لے لیا۔

"اسے تو ہمیشہ سے ہی ہادی کی پیڑ (درد) تھی۔" زری بڑبڑائی تو سنی نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

"ہیلو۔ ہیلو مشاعل بیٹا! میں حبیب الرحمٰن بول رہا ہوں۔ کیسی ہو؟"

"انکل! میں ٹھیک ہوں۔ مجھے آپ کو بتانا تھا کہ ہادی زندہ ہے اسے کچھ نہیں ہوا تھا، وہ یہاں رہتا ہے ہمارے گھر کے سامنے۔ کئی بار میری ملاقات ہوئی ہے اس سے لیکن مجھے پہلے آپ کا نمبر نہیں پتا تھا۔"

وہ بتا رہی تھی اور رو رہی تھی۔

"ریلیکس بیٹا۔ مجھے اپنا ایڈریس بتاؤ۔ اور تمہارے

پاس اس کا نمبر ہو گا نا۔ مجھے بتاؤ۔" ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"سنی۔ سنی جلدی سے کاغذ قلم لے کر آؤ۔"

سنی نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ لیا تھا۔ اور وہ نڈھال سے صوفے پر گر گئے تھے۔ وہ اتنے سالوں سے جس بیٹے کو مردہ سمجھ رہے تھے۔ وہ زندہ تھا۔ موجود تھا۔ ایک بار پھر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیکن یہ آنسو خوشی کے تھے' شکر کے تھے۔

سنی نے نمبر لکھ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ کیونکہ فون بند ہو گیا تھا۔

"کس کا نمبر لکھوا رہی تھی۔" زری ابھی تک وہاں ہی کھڑی تھی۔

"مجھے مت کہنا حبیب الرحمٰن کہ میں اس سے بات کروں یا اپنے پاس رکھ لوں۔"

حبیب الرحمٰن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"ممّا! یہ ہادی بھائی کا نمبر ہے۔"

"ہادی کا نمبر۔ اوہ تو یہ آگ اس نے لگائی ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"سنی!" حبیب الرحمٰن کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اپنی ماں سے کہو چلی جائے یہاں سے۔ ایک بار میں نے اسے اس لیے معاف کر دیا تھا کہ تم بھی ہادی کی طرح ماں کی مامتا سے محروم نہ ہو جاؤ۔ تمہاری خاطر میں نے اسے معاف کیا تھا لیکن شاید اب ایسا نہ کر سکوں۔ میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"پاپا پلیز۔" سنی دوڑ کر ان کے پاس آیا۔ "پاپا پلیز میری خاطر۔ میں جانتا ہوں ممی نے بہت بُرا کیا۔ بہت غلط کیا' لیکن پاپا وہ میری ماں ہیں۔ میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔ آپ انہیں معاف کر دیں۔"

سنی کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔

حبیب الرحمٰن نے سنی کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی نوعمر تھا۔ کون سا بہت بڑا ہو گیا تھا۔ چودہ پندرہ سال کا ہی تو تھا۔

انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں نے تمہاری خاطر اور اپنے ہادی کی زندگی کے صدقے اسے معاف کیا' لیکن اپنی مما کو سمجھاؤ کہ میرے سامنے مت آیا کرے۔"

وہ سنی کا بازو تھپتھپا کر کھڑے ہو گئے اور اس سے فون نمبر لے کر فون کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ آنکھیں موندے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اور آنکھوں کے سامنے ایک ہی شبیہہ تھی جوزی کی' مشاعل کی۔

جب وہ مشاعل تھی تو چھوٹی سی مہربان پری کی طرح لگتی تھی اسے۔ وہ اظہار نہیں کر پاتا تھا لیکن دل ہی دل میں اعتراف ضرور کرتا تھا کہ وہ اپنی ممی سے مختلف ہے ہمدرد اور مہربان۔

اور پھر جب اس نے اسے جوزی کے روپ میں دیکھا۔ تو وہ روتی ہوئی پریشان سی لڑکی اسے اچھی لگی۔ جو اپنے ممی پاپا کی لڑائی پر گھر سے باہر آ کر روتی تھی۔ وہ اسے پسند کرنے لگا تھا۔

اور پھر جب اس نے جانا وہ مشاعل ہے تو وہ جیسے دل میں اتر گئی۔

اور پھر جب اسے لگا وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ تو وہ اسے زندگی کے ہم سفر کے روپ میں دیکھنے لگا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی محبت کا اظہار کرتا کہ اماں کی خواہش نے اس کے لب سی دیے۔ اسے لگا جیسے وہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا ہو۔ وہ جوزی کی محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اور اماں اور بابا کی خواہش کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس کشمکش نے اس کے کھیل کو بھی متاثر کیا اور وہ سوچنے لگا اب وہ کبھی کھیل نہیں سکے گا' تب خوش جمال نے اسے زندگی کی نوید دی اور آج۔ آج وہ خود اس کی زندگی سے نکل گئی تھی۔

کاش وہ اس کی زندگی میں نہ آتی اور اگر آئی بھی تھی تو اسے اس سے محبت نہ ہوتی۔

"اور یہ آسان نہیں ہے۔" اس نے ایک گہری

سانس لی۔ "وہ اسے کیسے بھول پائے گا۔ لیکن اسے بھولنا ہوگا۔ ان کے لیے۔ ان سب کے لیے جنہوں نے اس کے لیے خواب دیکھے۔ جو اس کے لیے تھکے ...ہر مشکل میں اس کے ہم قدم رہے۔ اسے مشاعل جوزفین کی محبت کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں دفن کرنا ہوگا۔

"یا اللہ مجھے اس درد کو برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔ میرے درد محبت کو میرے لیے چراغ راہ بنا اسے کم کردے ربا۔!"

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچلتے ہوئے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ جیسے اس درد کو ہمیشہ کے لیے دل کی گہرائیوں میں اتار رہا ہو۔

فون کی مسلسل ہوتی بیل۔ پر اس نے آنکھیں کھول کر سامنے گھڑی پر نظر ڈالی۔ گیارہ بج رہے تھے۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد بیل پھر ہونے لگی تھی۔ فون سیٹ لاؤنج میں تھا۔ یوں سب کے پاس اپنے اپنے سیل فون تھے۔

"کس کا فون ہو سکتا ہے؟" اس نے سوچا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اسے محی الدین کی آواز سنائی دی۔ وہ۔ اپنے بیڈ روم سے فون سننے کے لیے نکل آئے تھے۔

"ہیلو۔ السلام علیکم!" انہوں نے دہرایا۔

"جی۔ جی محی الدین بات کر رہا ہوں۔ آپ کون؟"

پھر یکدم ان کی آواز بلند ہوئی۔

"کون۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ وہ تو۔" پھر ان کی آواز آہستہ ہوگئی یا وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی بات سن رہے تھے۔

"اللہ جانے کس کا فون ہے۔"

اس نے سوچا۔ "خیر جس کا بھی ہو، میرا نہ ہو مجھے اس وقت کسی سے بات نہیں کرنی۔"

اس نے پھر آنکھیں موند کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔ کچھ دیر بعد محی الدین کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی وہ کہہ رہے تھے۔

"یقین کریں حبیب بھائی! ہم کئی بار گئے۔ میں اپنا فون نمبر دے کر آیا، مسیج دیا اور پھر رحمٰن صاحب کے انتقال کا پتا چلا۔ نام کی مناسبت سے دھوکا کھا گئے۔"

وہ چونکا۔ محی الدین کی بات کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر کسی اور احساس نے اسے بیڈ سے اٹھادیا۔

"یہ بابا کس سے بات کر رہے ہیں۔ کون ہو سکتا ہے۔"

"وہ آپ ہی کا ہے حبیب بھائی!۔ بس اللہ نے کچھ عرصہ کے لیے اس کی ذمہ داری ہمیں سونپی تھی۔"

اسے محی الدین کی آواز بھرائی ہوئی سی لگی۔

وہ الجھ کر دروازے تک آیا اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ محی الدین نے اسے دیکھ کر اشارے سے اپنے قریب آنے کے لیے کہا۔

"بابا! اس وقت مجھے کسی سے بات نہیں کرنی آپ منع کردیں۔"

قریب آکر اس نے سرگوشی کی تو محی الدین ریسیور اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے مسکرائے۔

"یہ کوئی نہیں ہیں۔ تمہارے بابا ہیں۔"

"بابا!" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا یعنی ابھی کچھ دیر پہلے اسے جو ادراک ہو رہا تھا وہ صحیح تھا۔

"ہاں بیٹا تم بات کرو اپنے بابا سے۔ بہت بے چین ہیں۔ بعد میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔"

اس نے ایئر پیس کانوں سے لگایا۔

"ہادی۔ ہادی میری جان۔ میرے بچے میری زندگی!"

دوسری طرف حبیب الرحمٰن رو رہے تھے۔

"مجھے معاف کردو۔ میرے بچے میں نے تمہارا دھیان نہیں رکھا اور تمہیں کھودیا۔"

"بابا! میں نے سنی کو نہیں گرایا تھا۔ میں تو اس سے بہت پیار کرتا تھا۔" اب وہ بھی رو رہا تھا۔

"میری جان۔ مجھے پتا ہے میں جانتا ہوں۔ میں۔"

حبیب الرحمٰن دھاڑیں مار مار کر رونے لگے تھے۔ بڑی دیر بعد وہ سنبھلے تھے۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت ناراض ہو۔ بہت خفا ہو۔ میں نے۔"

"بابا! میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ میں کبھی بھی آپ سے ناراض نہیں تھا۔ مجھے پتا تھا آپ کو یکدم غصہ آجاتا ہے لیکن۔"

"میں نے تمہارے بعد کبھی غصہ نہیں کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں خود کو کیا سزا دوں۔ کیا کروں ایسا کہ روز محشر ام کلثوم کا سامنا کرسکوں۔"

"بابا پلیز! ریلیکس ہوجائیں۔ میں تھوڑا بزی ہوں ورلڈ کپ کے لیے کیمپ لگنے والا ہے۔ میں جیسے ہی فارغ ہوتا ہوں، آپ سے ملنے آؤں گا۔"

"میں خود آؤں گا تمہارے پاس جیسے ہی ممکن ہوتا ہے فوراً۔ تمہیں ایک بار گلے لگانے۔ سنو، محی الدین سے کہو۔ تم ان کے بیٹے ہو۔ ہمیشہ انہی کے بیٹے رہو گے۔ میرا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔ بس مجھے اتنی اجازت دے دیں کہ میں ایک نظر آکر تمہیں دیکھ لوں۔ ان آنکھوں کی پیاس بجھ جائے گی، تمہیں گلے لگالوں تو دل کو سکون مل جائے گا قرار آجائے گا۔"

اس نے پھر ریسیور محی الدین کو پکڑادیا تھا اور اب حبیب الرحمٰن ان سے بھی یہی بات کر رہے تھے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ! غلام مصطفےٰ آپ کا بیٹا ہے۔ ہم تو محض ایک امانت دار تھے۔ وہ آپ کی امانت ہے۔"

"کیا ہوا۔ اس وقت کس کا فون ہے خیریت ہے نا سب۔ اتنی دیر سے آپ کیا باتیں کر رہے ہیں؟" فاطمہ بوکھلائی ہوئی سی کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

"بالکل خیریت ہے۔" مصطفےٰ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سنبھل کر ان کی طرف دیکھا۔ اور پھر انہیں حبیب الرحمٰن کے متعلق بتانے لگا۔

فاطمہ کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ وحشت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ کتنے مہینے انہوں نے خوف کے عالم میں گزارے تھے کہ کسی روز حبیب الرحمٰن آکر اسے لے جائیں گے۔ وہ اسے پیار کرتے ہوئے جھجک جاتی تھیں۔ وہ گیارہ سال کا تھا جب ان کے پاس آیا تھا، سہما ہوا سا اور بارہ سال بعد وہ جب بھرپور جوان تھا اور وہ ہر خوف سے آزاد ہو گئی تھیں تو۔

"تم ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے مصطفےٰ؟" ان کی آواز میں ہزاروں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ! میں بھلا آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔ میرا سب کچھ آپ ہی ہیں، میرا جینا مرنا سب آپ کے ساتھ ہے۔"

اس نے انہیں اپنے ساتھ لگالیا۔ لیکن پھر بھی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور وہ دل پر ہاتھ رکھے متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی مصطفےٰ۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"مجھے اپنی جنت چھوڑ کر کہیں نہیں جانا اماں۔ وہ میرے والد ہیں۔ ان کی زندگی کا سن کر خوشی ہونا اور ملنے کی خواہش پیدا ہونا فطری ہے۔ لیکن میری جگہ آپ کے قدموں میں ہی ہے۔"

اس نے انہیں یقین دلایا۔ اور محی الدین کی طرف دیکھا جو اپنے مخصوص نرم اور دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"نہیں حبیب بھائی! دوسری شادی کوئی جرم نہیں ہے لیکن دوسری شادی کر کے اپنی پہلی اولاد سے غافل ہوجانا یقیناً جرم ہے۔"

"خوشی کے بابا!" فاطمہ نے کپکپاتی آواز میں انہیں مخاطب کیا شاید وہ ان سے بھی یقین دہانی چاہتی تھیں کہ وہ مصطفےٰ کو اپنے باپ کے پاس نہیں بھیجیں گے۔

محی الدین نے ان کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر ریسیور مصطفےٰ کی طرف بڑھایا۔

"لو یہ بات کرو اپنے بابا سے۔"

اور ریسیور اسے پکڑا کر فاطمہ کو ہولے ہولے سمجھاتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ لیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"آپ کب تک آئیں گے بابا۔" بہت دیر تک ان کی بات سننے کے بعد مصطفےٰ نے پوچھا۔ اور رخ موڑ کر اپنے دائیں طرف کھڑی خوش جمال کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے ہی اپنے کمرے سے نکل کر آئی تھی اور محی الدین اور فاطمہ کے جانے کے بعد بھی وہاں ہی کھڑی تھی۔ شاید وہ پوری بات جاننا چاہتی تھی۔ جو کچھ اس نے سنا

تھا اس سے وہ زیادہ نہیں جان پائی تھی۔ اس کی آنکھیں سوچی ہوئی تھیں اور رخساروں پر سرخی تھی اور وہ جو پچھلے کئی گھنٹوں سے سوچ رہا تھا کہ کیسے وہ کیسے خوش جمال سے کہے گا کہ اسے جوزی سے شادی نہیں کرنی، کیسے اسے اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرے گا جو کچھ دیر پہلے اس نے کیا تھا۔ کس طرح بات کرنے کہ اسے یہ نہ لگے کہ جوزی نے اسے ٹھکرا دیا تو وہ اس کی طرف پلٹا۔ حالانکہ اگر وہ پہلے خوش جمال کے دل کا حال جان جاتا تو وہ اپنی محبت قربان کر دیتا۔ اتنی ہی عزیز تھی اسے خوش جمال۔

اس نے ایک نظر خوش جمال پر ڈالی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے وہ بات سوجھ گئی جس سے وہ خوش جمال کی عزت نفس کو مجروح ہونے سے بچا سکتا تھا۔

"جیسے ہی ویز املا۔ ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا میں تو بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہوں ہادی۔" حبیب الرحمن کہہ رہے تھے۔

"دیر لگائیے گا بھی مت پاپا۔"

اس نے ایک نظر پھر خوش جمال پر ڈالی جو اس طرح اسی انداز میں کھڑی تھی۔

"اب آپ کے ہوتے ہوئے میں بابا اور اماں سے خود اپنے رشتے کی بات کرتا ہوا بالکل بھی اچھا نہیں لگوں گا پاپا۔"

"جی پاپا۔ آپ کی ہونے والی بہو بہت پیاری ہے، بالکل اپنے نام کی طرح خوش جمال۔"

اور خوش جمال کو لگا جیسے اس کے کانوں نے کچھ غلط سنا ہو۔ یہ مصطفےٰ نے کیا کہا۔

"جی پاپا۔ وہ میرے پیارے بابا اور اماں کی اکلوتی بیٹی ہے۔"

"یہ مصطفےٰ کیا کہہ رہا ہے۔"

اس نے بے اختیار ایک قدم آگے بڑھایا اور پھر رک گئی۔ نہیں شاید میں نے غلط سنا ہے۔ میری سماعت نے وہی لفظ کیچ کیے ہیں جو میرا دل سننا چاہتا ہے۔

وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر اس کی طرف مڑا۔

"یہ۔ یہ ابھی تم نے کیا کہا تھا؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"وہی جو تم نے سنا خوش جمال!"

وہ دو تین قدم چل کر بالکل اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور بغور اسے دیکھنے لگا۔

وہ بلاشبہ بہت خوب صورت تھی۔ جوزی سے کہیں زیادہ خوب صورت اور اس کا دل اس سے بھی زیادہ خوب صورت تھا۔ اس بیش قیمت دل کو توڑنے جا رہا تھا وہ اور یہ شاید اللہ کو بھی پسند نہیں آیا تھا تب ہی تو۔

اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

"اب جب پاپا ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ برابر طریقے سے باضابطہ طور پر پاپا، اماں اور بابا سے میرے لیے تمہارا ہاتھ مانگیں۔"

"لیکن تم نے تو جوزی سے بات کرنا تھی مصطفےٰ! اور تم اس سے محبت کرتے تھے۔"

"ہاں مجھے ایسا ہی لگا تھا خوش جمال۔ میں نے تمہارے متعلق اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا شاید اس لیے کہ ہم ایک ہی گھر میں ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔ میں تم سے بہت محبت کرتا تھا۔ تم جانتی ہو۔ لیکن مجھے لگا تھا، اس محبت کی نوعیت مختلف ہے۔ میں اس کے لیے ہمیشہ سے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ بھی رکھتا تھا۔ وہ صرف پسندیدگی تھی، احسان مندی لیکن میں نے سمجھا یہ محبت ہے۔ لیکن جب میں اس کی طرف جا رہا تھا تو مجھے لگا میرا بایاں پہلو خالی ہے۔ اور میرا دل یہیں کہیں اسی دہلیز پر رہ گیا ہے اور ابھی تو میں نے صرف اس کی طرف جانے کا سوچا اور میرا دل خالی ہو گیا اور اگر۔ تب میں نے جانا کہ میں اور تم ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں، اماں اور بابا کا فیصلہ بالکل صحیح ہے۔"

کبھی کبھی کسی اپنے کی خوشی کے لیے جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔

اس نے سوچا اور شعوری کوشش سے مسکرایا اور ایک قدم آگے بڑھ کر خوش جمال کے ٹھنڈے ہوتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"مجھے یقین ہے خوش جمال ہم دونوں بہت خوش رہیں گے۔"

خوش جمال کے چہرے پر ایک ساتھ کئی رنگ اترے تھے اور آنکھوں میں ہزاروں کرمک شب جگمگانے لگے تھے۔ لیکن اس کے اندر جلتے سارے چراغ بجھ گئے تھے اور چاروں اور اندھیرا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ خوش جمال کو اندھیروں میں چراغ جلانا آتا ہے، اور ایک دن وہ اس کے دل کے اندھیروں میں بھی چراغاں کر دے گی اور وہ مشاعل جوزفین کی محبت کو ایسے ہی بھول جائے گا کہ جیسے وہ کوئی خواب تھا۔

وہ خوش جمال کی طرف دیکھ کر پھر مسکرایا۔

"تم بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو جا کر آرام کرو۔ ان شاء اللہ صبح بات کریں گے۔"

اور اسے وہاں ہی حیران چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا کہ ابھی آنکھیں جلتی تھیں اور دل میں دھول اڑتی تھی۔

☆ ☆ ☆

2011 کا انگلش پریمیر لیگ کا پہلا میچ شروع ہو چکا تھا۔ مانچسٹر یونائیٹڈ پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اتری تھی ایک بار پھر جوزے نے مانچسٹر یونائیٹڈ کی کپتانی مصطفےٰ کو سونپی تھی۔

پہلے میچ کے پہلے ہاف میں ہی مصطفےٰ نے مخالف ٹیم پر گول کر دیا تھا اور وی۔ آئی۔ پی انکلوژر میں محی الدین اور حبیب الرحمن ساتھ ساتھ بیٹھے تھے ومبلڈن اسٹیڈیم میں مصطفےٰ کے نام کے نعرے لگ رہے تھے اور ان سے دونوں کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔

عین اسی وقت پاکستان کے ایک چھوٹے سے شہر میں اپنے دادا کے ساتھ سرخ چھوٹی اینٹوں والے چرچ کے داخلی دروازے کے سامنے کھڑی سوچ رہی تھی ایک بار اس نے ایک چرچ میں عشائے ربانی کی تیاری کرتی ننوں کو دیکھ کر سوچا تھا کہ کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ان ننز کے ساتھ عشائے ربانی میں شامل ہو کر ان کے ساتھ اس میز پر بیٹھے۔ اور پھر خود ہی اس نے اپنی اس سوچ کی نفی بھی کر دی تھی۔ لیکن آج وہ ان کا حصہ بننے جا رہی تھی۔ اس نے پال کا سر مار تھا کے سامنے جھکنے نہیں دیا تھا بلکہ بلند کر دیا تھا۔ ہاں دل کی منڈیر پر اب بھی مصطفےٰ کا نام جگمگاتا تھا۔ لیکن ایک دن آئے گا جب وہ اسے بھول جائے گی، ایسے ہی جیسے وہ کوئی خواب تھا۔ اس نے خود کو یقین دلایا۔

چرچ کے صحن میں جھاڑو دیتا نوعمر لڑکا گنگنا رہا تھا۔

کہ جیسے خواب تھا کوئی، بکھر گیا
کہ جیسے رنگ تھا کوئی، اتر گیا
کہ جیسے خواب تھا۔

"ہاں جیسے خواب تھا کوئی۔" اس نے زیر لب کہا۔ انگلیوں سے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ اپنے دادا کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور چرچ کا دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر چلی گئی۔

☆